

جلد 23 شماره 8 ماه اگست 2021ء محرم الحرام 1443ھ



ماہنامہ فلاح آدمیت

سلسلہ عالیہ توحید یہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- ◆ سلسلہ عالیہ توحید یہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- ◆ کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- ◆ حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- ◆ موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- ◆ غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- ◆ فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاف حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- ◆ اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔



بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری
بانی سلسلہ

گو جرانوالہ

ماہنامہ

فلاح آدمیت

محمد صدیق ڈار

بانی مجلہ فلاح آدمیت

عالمگیریت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لیے



عالمگیریت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لیے

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
0344-9000042

مجلس ادارت

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد، ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

احمد رضا خان
0321-6400942

مدیر

شہزاد محمود بخاری
0301-7430525

معاون مدیر

سید رحمت اللہ شاہ
0333-4552212

نائب مدیر

ترسیل: فقہ محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سالانہ فنڈ 300/- روپے



قیمت شمارہ 30/- روپے

اس شمارے میں

صفحہ نمبر	مصنف	مضمون
1	مدیر فلاح آدمیت	دل کی بات
3	سید رحمت اللہ شاہ	نقوش مہر و وفا
19	شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی	رجاء
22	حکیم محمد سعید	آزادی
28	عزیز عارف	سلسلہ عالیہ توحید یہ کی بنیاد کیوں رکھی گئی
37	عبدالقیوم ہاشمی	سلسلہ کی تعلیم و ترویج کیلئے عملی اقدامات
41	امام غزالی	محبت، شوق اور رائے
45	ہارون یحییٰ	خوفِ الہی نہ رکھنے والوں کا انجام
53	مولانا محمد اولیس سرور	عصبیت کی طرف بلائے والا ہم میں سے نہیں
59	فضل الرحمن بن محمد الازہری	ذکر و فکر



دل کی بات

غریب و سادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

اسلامی سال کا آغاز محرم الحرام کے عظیم الشان مہینے سے ہوتا ہے۔ چودہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں مگر نواسہ رسول ﷺ امام حسینؑ کی قربانی کی مہک اور یاد اہل ایمان کے دلوں میں آج بھی تازہ اور ایمان کی جلا کا سبب ہے۔ ذوالحجہ اسلامی سال کا آخری مہینہ، حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یادگار، جسے 2021 میں بھی اربوں مسلمان اسی طرح رہے ہیں جس طرح چودہ صدیوں سے خدائے واحد کو ماننے والے مانتے آرہے ہیں۔ سورۃ صافات میں آیت 105 میں اللہ کریم حضرت ابراہیمؑ کی توصیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

ترجمہ: ”آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم احسان کرنے والوں کو یونہی اجر دیتے ہیں۔“ مزید فرمایا ”وَفَوَيْتُ بِهِ بِنَبْحٍ عَظِيمٍ“ ہم نے اس کے بدلے فدیے میں ایک عظیم ذبیحہ دیا۔ ”وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ“ اور ہم نے اسے باقی چھوڑا پیچھے آنے والوں میں“ علامہ اقبالؒ کے مذکورہ شعر کو ان آیات کی روشنی میں سمجھنے سے ہم پر عجیب حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی اگر مؤخر ہوئی ہے تو فدیے کے بدلے میں اور آنے والی اولاد نسلیں، پیچھے آنے والی کہلاتی ہیں۔

حضور نبی مکرم ﷺ چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت امام حسینؑ، حضور ﷺ کے بطور نواسہ اولاد ہیں۔

یہ امر بالاتفاق طے شدہ ہے اور آپ ﷺ کا اعجاز ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ساری اولاد حضور ﷺ کی اولاد ہے۔ نیز یہ بات سیرت وحدیث کے کئی حوالوں سے بھی ثابت شدہ ہے۔ اس لیے قرآنی آیت کی ایک کھلی تصریح یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے بدلے حضرت امام حسینؑ کو ذبح کیا گیا اور یہ امر آپ ﷺ کو واضح طور پر اللہ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا جیسا کہ کئی احادیث سے ثابت ہے اور آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ آپ کے جگر کے ٹکڑے کو شہید کیا جائے گا۔ وہی روئے اختیار کیا جو آپ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ نے (یعنی تسلیم و رضا) اختیار کیا تھا۔ جب کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اس امر میں سفارش بھی کر سکتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کی قربانی کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے دل میں ایمان کا ہونا اشد ضروری ہے اس عظیم قربانی کی کئی جہتیں ہیں جس کو ہر کوئی اپنے شعور اور ایمانی درجے کی مناسبت سے سمجھتا ہے۔ آنحضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ اس وقت خام ہے جب تک آپ ﷺ کے پیاروں سے محبت نہ ہو اور اس میں سرفہرست اہل بیت ہیں۔ موجودہ دور کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ یزیدی ٹولے کی حمایت میں حق کی راہ سے ہٹ چکے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ وہ ایسا کر کے آنحضور ﷺ کی آل سے مخالفت کا اظہار کرتے ہیں جو بالآخر رسول اور خدا کی مخالفت پر منتج ہوتی ہے۔ ایسے حضرات کو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر آپ یزیدی ٹولے کو حق پر سمجھتے ہیں تو دعا کریں روز قیامت آپ کو اللہ تعالیٰ یزید اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اٹھائے اور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے ساتھ کرے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہمیں دین مبین کا حقیقی شعور عطا فرمائے اور اپنے پیار والوں میں شامل کر لے۔ آمین۔

مدیر (فلاح آدمیت)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

حدیث میں بھی ہے کہ اَلَمْ پڑھنے سے بھی یہ تین حروف ہیں، تیس نیکیاں ملتی ہیں، جو قرآن میں ہے، جن کے کوئی معنی نہیں، جن میں کچھ کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے، یا کسی چیز سے روکا گیا ہے۔ بس قرآن میں ہے تو اَلَمْ بھی پڑھیں گے تو اتنی نیکیاں ملیں گی۔ قرآن میں جانوروں کے بھی نام ہیں، چھڑکا بھی نام ہے، کتے کا نام بھی ہے۔ قرآن کے Text میں جب پڑھا جائے گا تو ان حروف کی بھی ایسے Multiply ہو کے نیکیاں ملیں گی۔ اللہ کے کلام کی برکت ہے، جب اللہ کا نام آئے گا تو اس کا کیا ہوگا! اس کی کتنی نیکیاں ملیں گی؟ وہ اس کے برابر ہو سکتی ہیں؟ اس اَلَمْ کے؟ یا کسی جانور کے نام کے برابر ہو سکتی ہیں؟ جب خدا کا ذکر کیا جائے گا تو اس کی اتنی نیکیاں ملیں گی کہ وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کو اپنا نام کتنا پیارا ہوگا؟ انسان کو اپنا نام پیارا ہے، اُس (اللہ) کو بھی اپنا نام پیارا ہے۔ فرمایا بھی ہے کہ ”میرے ناموں سے پکارو“۔ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا۔ (سورۃ الاعراف ۷-آیت ۱۸)

اللہ کے پیارے پیارے نام ہیں، اسے ان سے پکارا کرو، وہ تمہاری ساری مرادیں پوری کر دے گا۔

ذکرِ پاسِ انفس اس طرح کیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ قرآن میں لکھا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝ بَلْ تُؤْثِرُونَ

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝ (سورۃ الاعلیٰ ۸۷-آیات ۱۷-۱۴)

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى . فلاح پا گیا وہ شخص، جس کا تزکیہ ہوا۔ اس کے دل کی سیاہی جو ہے وہ دور ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں جو آیات آتی ہیں، تین چار ہیں، ان میں یہی باتیں آتی ہیں:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ . (سورۃ الجمعہ ۶۲- آیت ۲)

وہ تمہارا تزکیہ کرتا ہے، فیضِ نبوت ﷺ سے پاک کرتا ہے۔ نورِ نبوت سے آپ کی ساری کثافتوں کو دور کرتا ہے۔ جیسے اب یہ لیزر سے علاج نکل آئے ہیں، یہ اُس وقت بھی تھا۔ فیضِ صحبت سے دلوں کو صاف کر دیتا ہے۔ يُزَكِّيهِمْ کا مطلب یہی لکھا ہے، پاک صاف کر دینا۔ بعض جگہ پر لکھا ہے مانجھنا۔ ایک چیز Metal کی ہے، اسے زنگ لگ جاتا ہے، اس کو مانجھ لیا جاتا ہے تاکہ اس کی Originality نکل آئے۔ مانجھ کے صاف کرنا، اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ تزکیہ حضور ﷺ کرتے ہیں۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بعد میں آیا ہے کتاب اور حکمت۔ تزکیہ فرمایا کہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وہ فلاح پا گیا جس کا تزکیہ ہوا۔ اس کو مانجھ کے صاف کر کے، اس کی Originality نکل آئی۔ پتا چل گیا کہ انسان کیا ہے؟ میں کیا ہوں! یہی ہے وہ پہلا فلسفہ خودی کا کہ خود کو جان جائے کہ میں کیا ہوں؟ اس کی اتنی لمبی تفصیل نہیں ہے صرف یہی ہے کہ میں کیا ہوں؟ یہ پتا لگ جائے۔ وہ جان لے کہ میں کیا ہوں؟ وہ صاف ہو جائے۔

اور رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔ تین کام بتائے۔ پہلے تزکیہ ہونا چاہئے، رب کے نام کا ذکر کرے، اور نماز پڑھے۔ وہ فلاح پا گیا۔ تزکیہ یہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ہوتا تھا۔ آگے بزرگانِ گرامی ہیں، ان سے ہوتا ہے۔ جس کو ملا اس نے یہی کہا کہ

ایسے ہی ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزؒ نہ شد

مولوی کبھی مولائے روم نہیں بن سکتا جب تک وہ شمس تبریزؒ کی غلامی میں نہ آئے۔
جو پڑھے لکھے نہ تھے۔ مولوی صاحبؒ تو عالم تھے۔ وہ (شمس تبریزؒ) ایک ہی حرف پڑھے
تھے۔ وہ علامہؒ نے جسے کہا ہے کہ

قلندر جو دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا فقیر شہر ہے قاروں لغت ہائے حجازی کا
اس کے پاس خزانے ہیں گرامر کے اور گردانوں کے۔ فقیر ایک ہی جانتا ہے کہ
اللہ کے سوا کوئی نہیں: لا الہ الا اللہ۔ وہی مالک ہے، وہی میرا آقا ہے۔ اس کے ساتھ میرا
پیار ہے، اور میں کچھ نہیں جانتا۔ قلندر کو کوئی گرامر نہیں آتی۔ شمس تبریزؒ جو تھے وہ بھی ایسے ہی
تھے۔ جب ان کی صحبت میں (مولانا رومؒ) بیٹھے، انہوں نے اللہ کی محبت کی چنگاری لگائی تو
پھر پتا چلا کہ ہم کیا کر رہے تھے، اور یہ کیا بات ہے۔ پھر تقویٰ جو تھا اس کو نئی لگی پیار والی، پھر
اس سے وہ آگے بڑھے اور مولانا روم بنے اور مثنوی لکھی۔ انہوں نے بھی کہا کہ ایسے ہوتا ہے۔
جب تک وہ نہ ملیں تو وہ نہیں ہوتا۔ علامہؒ نے بھی لکھا ہے: ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ جس مومن کے دو دن یکساں حالت میں گزر
جائیں، وہ خسارے میں ہے۔ ہر آنے والا دن، کل والا، آج سے ہمارا خدا پر ایمان،
بھروسے، اور توکل کے حساب سے آج سے بہتر ہونا چاہئے۔ Next اس سے بھی بہتر ہو،
تا کہ آپ کی زندگی کا یہ سفر جو ہے وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ۔ (سورۃ النجم ۵۳۔ آیت ۴۲)
کمال تو وہ ہے۔

علامہ نے بھی یہی لکھا ہے: ۔ کمالِ زندگی دیدارِ ذاتِ است

”زندگی کا کمال یہ ہے کہ انسان زندگی میں ہی اللہ کی ذات کا دیدار کر لے۔“

طریقہ نشِ رستن از بندِ جہاتِ است

اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جو بندھن بنے ہیں کہ یہ میرے بیٹے، یہ میرا مال، اور یہ میری بقاء، یہ جو Ties ہیں ان کو توڑیں۔ ان Ties کو توڑیں تو اللہ مل جاتا ہے۔ یہ لا الہ ہے، کچھ نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہے صرف اللہ ہے۔ اسی سے ہوتا ہے۔ یہ جو ہے قطعِ ماسویٰ اللہ۔ اللہ کے سوا باقی تمام خواہشات نکل جائیں۔ سوائے اللہ کے باقی کچھ نہ رہے۔ تسلیم و رضا اختیار کرے۔ اس کی رضا پہ راضی ہو جائے۔ شکوہ والی بات نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ بھی فرماتے ہیں کہ

طریقِ اہل دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا

نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی

یہ درویشوں کا کام نہیں ہے کہ یہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ کبھی کسی سے شکوہ نہیں کرتے۔

میاں محمد بخش بھی کہتے ہیں کہ

جہاں دُکھاں تُوں دلبرِ راضی اُنہاں تُوں سکھ دارے

جب میرا مالک محبوب کہتا ہے کہ یہ تکلیف آپ کو دینی ہے تو ہمیں کیا ہے۔ ہم ان میں خوش۔

جہاں دُکھاں تُوں دلبرِ راضی اُنہاں تُوں سکھ دارے

دُکھ قبول محمد بخشِ راضی رہنِ پیا رے

ہماری چاہت کا کیا ہے! وہ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہے۔ ملتِ ابراہیمی ہے، جو ابراہیم

علیہ السلام کا طریقہ ہے، اس کے پیچھے چلنا ہے۔ حضور علیہ السلام کی نبوت کے پیچھے چلنا ہے،

جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا آپ ﷺ کو وہی دین ملا۔ فرمایا:

قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (سورة الانعام ۶-آیت ۱۶۱)
 آپ ﷺ کہہ دیں کہ مجھے رب نے صراطِ مستقیم بتائی ہے۔

دِينًا قِيمًا مِثْلَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا. (سورة الانعام ۶-آیت ۱۶۱)

وہ پکا، سچا، مضبوط دین۔ جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا، وہ ہے، اس پہ چلنا ہے۔ جیسے

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورة الانعام
 ۶-آیت ۱۶۲) ایسے ہی آپ ﷺ کو بھی کہا کہ قُلْ آپ بھی کہیں وہی بات۔ قُلْ إِنَّ
 صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورة الانعام ۶-
 آیت ۱۶۲) آپ بھی کہیں کہ میرا مرنے، میرا جینا، میری زندگی سب اللہ کے لئے ہے۔ اس کو کرو۔
 اس پہ چلو تو وہ لحظہ ہو سکتا ہے۔ اگر اَلَمْ سے تیس نیکیاں ملتی ہیں تو آپ نے جب ایک سانس
 اوپر گئی تو اللہ کہا، اس کو آپ Multiply کر لیں کہ یہ نام اللہ کا ہے، پتا نہیں اس کی کتنی نیکیاں
 ملیں گی۔ آپ پہلے سانس سے دوسرے سانس لینے تک کہاں پہنچے۔ ہر سانس کے ساتھ
 کریں ہر لحظہ اچھا چل سکتا ہے بشرطیکہ اللہ کا ذکر کیا جائے۔

بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے
 تو فرمانے لگے: خدا کی قسم ایک دفعہ اللہ کہہ دینے سے جنت مل جاتی ہے۔ وہ جو مقامات ہیں
 بلند ان کے لئے کوشش کرو۔ وہ جو اونچے اونچے ہیں، وہاں حد ہی کوئی نہیں ہے اتنے مقامات ہیں،
 اس کے لئے کوشش کریں۔ مقررین میں داخل ہو جائیں۔

ملتِ ابراہیمؑ پر چلنے کی بات آئی ہے، کون کون سی آزمائشیں ہیں جو حضرت ابراہیمؑ

پر نہیں آئیں۔ اولاد ہوئی تو کہا اسے وہاں چھوڑ آؤ جہاں پانی ہے نہ کچھ اور۔ بچہ تھوڑا سا بڑا ہوا تو کہا کہ اس کو ذبح کرنا ہے۔ ہے کوئی بات کرنے والی؟ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ خواب ہی آیا تھا۔ اور بیٹا آگے سے وہ بھی اس کی کیا بات ہے۔ علامہؒ نے بھی کہا:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندِ

اتنا تابعدارِ فرزند کیسے بن گیا؟ کالج سے یا سکول سے ٹریننگ ملی تھی یا حضرت ابراہیمؑ کی نگاہوں سے ملی تھی۔ فیض سے ایسا دل زندہ ہو گیا تھا۔ فیضانِ نظر تھا ناں کہ یہ اُسی سے بنتا ہے۔ وہ صحابہؓ جو تھے وہ حضور ﷺ کے فیض سے بنے۔ پڑھنے سے نہیں بنے۔ چند لوگ صرف لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ قرآن کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا، حفظ کر لیا سب نے۔ قرآن موجود بھی نہیں تھا اس وقت ایک کتابی صورت میں۔ وہ حضور ﷺ کے فیض سے بنے۔ جس آدمی نے ایک مرتبہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کو بحالتِ ایمان دیکھ لیا، وہ اصحاب میں داخل ہو گیا پھر چاہے ساری عمر ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا درجہ ایسا ہے کہ کوئی غیر صحابی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ ساری عمر نمازیں پڑھے، حج کرے، یا جو مرضی کرے، ایک صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ جو ایمان کی کیفیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے دلوں کے اندر نفوذ کر گئی وہ نہیں ہو سکتا۔ وہ صحابی تھے، وہ فیضِ نبوت ﷺ سے بنے تھے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندِ

وہ کہتے ہیں کہ بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى (سورة الصافات ۱۰۲)

کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ (سورة الصافات ۳۷- آیت ۱۰۲)

انہوں نے کہا کہ آپ کر گزرو۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ خواب ہے، انہوں نے کہا جو حکم ہوا

ہے آپ کر ڈالو۔ انہیں بھی پتا تھا بیٹے کو کہ نبی کا خواب خواب نہیں ہوتا، اللہ کا امر ہوتا ہے۔

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (سورة الصافات ۱۰۲) ”جو حکم دیا گیا ہے اس کو آپ کر ڈالیں“۔

سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (سورة الصافات ۱۰۲) مجھے آپ اطاعت کرنے والا پائیں گے۔

باپ بیٹا راضی ہو گئے، لٹا دیا زمین پہ، خنجر کو پکڑ لیا۔ بس اتنا ہی کام تھا۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (سورة الصافات ۳۷- آیت ۱۰۵)

ابراہیمؑ نے تو خواب بھی سچا کر دکھایا۔ فرشتہ نہیں چلا کہ جا کے وہاں پیغام دے۔

ہم نے خود آواز دی۔ اللہ محسنوں کو ایسے ہی اطلاع دیتا ہے۔ براہ راست مکالمہ۔ خدا خود آواز

دے کہ ابراہیمؑ نے کمال کر دیا۔ انہوں نے لٹا دیا، تیار ہو گئے تو وہاں دے کو بٹھا دیا گیا۔

اس طرح خواب بھی سچا کر دکھایا۔ پچھلے دنوں ٹی وی پر ایک بندہ بیٹھا ہوا تھا، پتا نہیں کون تھا،

بڑی اچھی بات کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ اتنے سال ہو گئے ہیں، کوئی پندرہ یا بیس سال، میں نے

کوئی نماز قضا نہیں کی۔ ایک نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔ ڈیوٹی کے درمیان یا ٹی وی پر کام

کرتے ہوئے کبھی میری ایک نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ ابراہیمؑ کے بارے میں عید کے دوران

بات ہو رہی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ سارے ایشیاء میں پڑھا جاتا ہے کہ

سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزند

میں نے بھی ایک خطبے میں لکھا ہے کہ آج کل کی اولاد کالج کی پڑھی ہوئی تو والدین

کے کہنے پر سر کے بال نہیں کٹواتی۔ کالج والی اولاد بال نہیں کٹواتی اور وہ ایک بیٹا ہے کہ جس نے گردن کٹوانے کے لئے پیش کر دی۔

ٹی وی پر بات کرنے والے اس بندے نے ایک بڑے اچھے نقطے پر بات کی۔ اس بندے نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو عادت ہو گئی ہے کہ ہم دوسروں کی اصلاح کریں، میں خود نہ کروں۔ اس میں بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ بیٹا جو ہے وہ اسماعیل بن جائے۔ تم خود کیوں نہیں پہلے ابراہیم بنتے؟ آپ خود ابراہیم بنیں کہ میں ابراہیم بنوں تاکہ ہماری اولاد جو ہے اس میں یہ صفات پیدا ہوں۔ مگر ہم کہتے ہیں نہیں جی وہ اسماعیل نہیں بنتے۔ آپ ابراہیم بنیں تاکہ آپ کی اولاد اسماعیل بنے۔ وہ مکتب سے نہیں ہوتا، یہ صحبت سے بنتے ہیں۔ نیک صحبت سے ہی وہ خصائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے بزرگانِ کرام کا اصل کام یہ ہے کہ تعلیم بھی دیتے ہیں، ساتھ ان کی فیضِ صحبت سے اصلاح بھی کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا تو وہ ایک خاص پیرا تھا جس میں لوگوں کو براہِ راست صحبت ملی اور وہ صحابہ بنے۔ اس کے بعد صحابہ سے وہ تابعین میں بات آئی۔ تابعین سے طبع تابعین اور آگے پھر اولیاءِ کرام نے اس کو لیا۔ کام وہی ہے کہ مخلوق کی اصلاح ہو جائے۔ انسان کے اندر یہ چنگاری جو ہے وہ جاگ اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے یومِ الست کو روحوں کو بلایا اور سب سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں؟ سب روحوں نے جواب دیا: ہاں، کیوں نہیں۔ مطلب یہ کہ رب کے ساتھ اس کی ربوبیت کا عہد تو ہو گیا کہ دنیا میں جا کر آپ کو ہی رب مان کر بندگی کریں گے۔ یہی ایمان ہے اگر ہم مان لیں۔

إِنَّ الْإِنِّينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ. (سورۃ فصلت ۳۰)

تَسْنَرُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ جنہوں نے مان لیا رب کو اور اس پر قائم ہو گئے تو اللہ ان پر فرشتے اتارتا ہے، پیار و محبت کا پیغام لے کر اصل بات تو وہی ہے کہ محبت کا بیج ہر روح کے اندر ڈال دیا گیا ہے۔

می نہ روید تخم دل از آب و گل | بی نگاہی از خداوندانِ دل

یہ دل میں ڈالا ہوا بیج جو ہے یہ مٹی، پانی سے نہیں اُگتا۔ باقی بیج تو مٹی میں ڈالو، پانی دو تو اُگ آتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اہل دل کی نگاہ کی حرارت سے اُگتا ہے۔ ان کے دل سے روح کی جو حرارت ہے وہ اسے ملتی ہے تو یہ اُگتا ہے۔ اسی طرح فرمایا:

محبت کے لئے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ دم ہے جسے رکھتے ہیں نازک آگینوں میں
جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مینوں میں
سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حمیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

وہ جب پیار والے بندے سے ملتے ہیں تو خود بھی ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ اصل یہ کام ہے۔ آج کل تو سائنس بھی مانتی ہے۔ Personality radiations ہوتی ہیں۔ آگے حاضرین پر ان کا اثر ہوتا ہے۔ ایک بڑی اچھی کتاب تھی، دیکھی مگر پڑھنے کو نہیں ملی۔

The psychic research behind the iron curtains.

یہ امریکہ میں چھپی۔ Russia میں جو روحانیت پر تحقیق ہوئی اس پر یہ صحیح کتاب تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ فلاں بندہ دم کرتا ہے اور مرلیض ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پیر کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے

وہ مانتے نہیں ہیں اس لئے Critic انداز سے لکھا ہے کہ کیسے ہوتا ہے؟ اس کے ہاتھ کا معائنہ کرو، اس میں کچھ ہے۔ انہوں نے Photographs لیں، X-ray کئے تو اس کی انگلیوں میں سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ اس میں اتنی روحانیت تھی۔ فوٹوگراف اور ایکسرے کی پلیٹیں جو دی گئی تھیں ان میں دیکھیں تو شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ کہتے کہ اس سے ہوتا ہے۔ Cause of effect is there. وہ کہتے کہ اس کے اندر ایسی Waves ہیں کہ جس سے وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ انہوں نے آدمی کی بھی تصویر لی۔ جیسے بزرگوں کی تصویریں بنائی ہوتی ہیں کہ ان کے گرد ایک ہالہ ہے، انہوں نے ہر ایک تصویر کی فلم Develop کر لی۔ اس کا اتنا نور کا ہالہ ہے، اس کا اتنا بڑا ہے۔ اس کا اتنا چھوٹا ہے۔ اس کے Colours کیا ہیں؟ اس کے Colours کے اندر وہ مزاج بھی جان لیتے تھے کہ وہ گرم مزاج کا ہے یا ٹھنڈے مزاج کا ہے۔ انہوں نے یہ بنائیں۔ اس کا مطلب ہے کہ Scientifically prove ہو چکا ہے کہ ایسا ہے۔

اللہ والوں کے ساتھ بیٹھنے سے دلوں میں وہ محبت جو ہے وہ بیدار ہو جاتی ہے۔ جو اللہ کا ذکر شروع کر دیتا ہے، اس میں یہ محبت پرورش کر جاتی ہے۔ سلطان باہو کا شعر ہے:

الف اللہ چہ دی یوئی مرشد من مرے سوچ لائی ہو

مرشد نے ڈالی، اس نے بوٹا لگا دیا، محبت کا بیج جو تھا وہ پھوٹ پڑا۔ پھر اس نے ذکر کی بات کی یہی نفی اثبات جو لا الہ کا ذکر ہے۔ مرشد نے بتا دیا کہ چوبیس گھنٹے بعد اسے پانی دینا ہے۔

نفی اثبات داپانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو

اندرونی مشک مچایا، جان پھلسن توں آئی ہو

وہ یوئی بڑھی، اس پہ اللہ کی محبت کے پھول لگے اور سب کچھ مہک گیا۔

اندرونی مشک مچایا، جان پھلسن ٹوں آئی ہو

جیوے مرشد کامل باہو جسے ایہہ بوٹی لائی ہو

وہ بوٹی یہی ہے، اسے نفی اثبات کا پانی دینا پڑتا ہے۔ لا الہ پڑھو اور روز اس کو پانی دو۔

موسیٰؑ نے اللہ سے کہا کہ اللہ میاں! مجھے کوئی خاص ذکر بتائیے۔ اللہ نے کہا

ٹھیک ہے۔ سب سے اچھا ذکر، سب سے پیارا ذکر یہ ہے لا الہ الا اللہ۔ موسیٰؑ نے کہا کہ

یہ تو سب کو پتا ہے۔ یہ لا الہ کا ذکر تو سب کو پتا ہے۔ فرمایا: موسیٰؑ! ایک پلڑے میں ساری

دنیا جو کچھ ہے، سب عبادات اور سب کچھ ڈال دو، سوائے میرے نام کے۔ دوسرے پلڑے

میں یہ ڈال دو تو یہی پلڑا بھاری ہوگا جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ بہت بڑی بڑی باتیں

ہیں۔ سلطان باہو نے کہا کہ:

ب بسم اللہ اسم اللہ والا یہودی گہنہ بھارا ہو

یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔ ب بسم اللہ کر کے پارگزر جاتے ہیں۔ اللہ کا نام جو وہ

برکت والا ہے، ہم پڑھتے ہی ہیں: سبحانک اللہم وبحمدک۔ وتبارک اسمک

اے اللہ تیرا نام ہی برکت والا ہے۔ جدھر ہو برکت ہی برکت ہوگی۔ کھل جائیں

گے راستے، ڈھل جائیں گے سب ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کثرت سے کریں۔ حضرت خواجہ

عبدالحکیم انصاری صاحبؒ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ لا الہ کرنا ہے، اور باقی چلتے

پھرتے وہ اللہ اللہ کرنا ہے۔ جو سانس اندر جائے یا باہر جائے اللہ کرنا ہے۔ پرانی مائیاں جو

ہیں وہ کہا کرتی تھیں: "اللہ اللہ کریا کرو، خالی دم نہ بھریا کرو"

سانس لیتے جوشوں شوں ہو رہی ہے اس میں اللہ کو ڈالو۔ اس کے ساتھ اللہ کو شامل

کرو جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ ہی اللہ کہو، باہر نکلے تو ایسا ہو کہ اللہ کہا جائے۔

خالی سانس کیوں بھرتے ہو؟ اس میں بتا دیا کہ یہ کیا کرو۔ جو سانس اندر جائے تو اللہ، باہر آئے تو اللہ کہو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ بندہ کسی کو یاد کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ چھینک آتی ہے، اللہ اگر یاد کرے گا تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ ایسے نہیں ہو سکتا کہ خدا یاد کرے اور بندے کو پتا ہی نہ چلے۔ ضرور پتا چلے گا۔ روحانیت آئے گی۔ پریم آئے گا۔ جیسے بلاوجہ بندہ غمگین رہتا ہے پھر بلاوجہ بندہ خوش رہتا ہے۔ اسے کچھ فکر نہیں رہتی، وہ جو چل رہا ہے اسی میں خوش ہوتا ہے کہ ٹھیک ہی ہے۔ روز اللہ کا ذکر کریں، نفی اثبات کریں تو اس کا سرور آئے گا۔

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو

پلا کہ مجھ کوئے لا الہ الا ھو

میرے مرشد نے مجھے لا الہ الا اللہ کا سبق دیا اور یہ سب دنیا دور ہو گئی۔ اللہ کہتا ہے کہ میں شہ رگ سے نزدیک ہوں، اور ہم کہتے ہیں کہ وہ بہت دور ہے۔ ساتوں آسمانوں سے اوپر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (سورۃ ق ۱۶) میں شہ رگ سے قریب ہوں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (سورۃ الحديد ۵۷۔ آیت ۴)

کہیں بھی جاؤ، تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں تم دو ہو تیسرا وہ ہے، جہاں چار ہو پانچواں وہ ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے۔ اس کو ساتھ ہی رکھیں۔ وہ کہتا ہے کہ ساتھ ہوں تو آپ اس کو ساتھ ہی رکھیں، ساتھ ہی سمجھیں۔ یہ ہے جو آپ نے ساتھ ساتھ کرنا ہے۔

کہتے ہیں کہ جی کیسے ہوگا ساتھ At a time؟ کہتے ہیں:

کبیرا فقیر سیکھنی ہے پنہارن سے سیکھ

وہ جو عورتیں دو، دو اور چار، چار گا کریں لے کر پانی بھرتی ہیں، اور سر پر رکھی ہوتی ہیں، ان کیلئے

پانی بڑا اہم ہوتا ہے۔ وہ انہیں ہاتھ سے نہیں پکڑتیں۔ سر پر رکھ لیتی ہیں اور ایسے ہی چلتی ہیں۔ باتیں بھی کر رہی ہیں، شرارتیں بھی کر رہی ہیں، لیکن وہ اوپر سے توجہ نہیں ٹوٹنے دیتیں۔ کہتے ہیں:

کبیرا فقیر سیکھنی ہے پنہارن سے سیکھ

بات کرے سکھیوں سے مگر دھیان گاگر کے بیچ

سہیلیوں سے بات کرتی ہے مگر دھیان ان کا گاگر کے اندر ہی رہتا ہے۔ وہ ادھر ادھر ہو جائے تو یہ ٹوٹ جائیں گے۔ دھیان وہ اپنا ادھر سے ٹوٹنے ہی نہیں دیتیں کہ میں نے گھڑے اٹھائے ہوئے ہیں، اب ادھر ادھر نہیں ہونا۔ کبھی کبھی کمرے سے وہ دکھاتے بھی ہیں۔ کئی Dancer آتی ہیں، ان کے سر پر ایک صراحی رکھتے ہیں، پھر دوسری، اور اس طرح رکھتے جاتے ہیں۔ وہ ڈانس کرتی جاتی ہیں، کمرے نے فوکس کیا ہوتا ہے۔ وہ صراحیاں نہیں ہلتیں، نہ ہی سر ہلتا ہے۔ اندر Body وہی کر رہی ہے سب کچھ لیکن وہ سر اور صراحیاں Static رہتی ہیں، بالکل حرکت نہیں کرتیں، وہ نہیں ہلتیں۔

یہ کہتے ہیں کہ وہ اگر پانی کا یا صراحی کا دھیان رکھ سکتی ہیں تو آپ اللہ کا دھیان نہیں رکھ سکتے؟ دھیان اللہ کی طرف انکار ہے اور دل یا رکی طرف رہے، تو کرو اس کو۔ مشق کرنے سے یہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ باقی پرانے بزرگ جو تھے وہ مجاہدے بتاتے تھے، وہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ دل کی صفائی ہو جائے اور اس میں نرمی پیدا ہو جائے، یہ اللہ کے رہنے کے قابل ہو جائے اس لئے غصہ اور نفرت یہ سب دل سے نکال دیں، جو اللہ کو پیاری عادات ہیں، وہ اپنائیں۔

تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ اللَّهِ. ﴿اپنے اندر اللہ جیسے اخلاق (صفات) پیدا کرو﴾

جیسے اللہ ہے ماں، وہ رحیم و کریم ہے، تم بھی رحیم و کریم بن جاؤ۔ وہ لوگوں کی پردہ پوشی کرتا ہے، تم بھی پردہ پوشی کرنے والے بن جاؤ۔ مت بتاؤ لوگوں کی باتیں کسی کو۔ وہ رحم کرتا ہے، تم بھی

رحم کرنے والے بن جاؤ۔ وہ رحیم و کریم ہوگا اور تم ظلم کرو تو تمہاری یاری اللہ میاں سے کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ پردہ پوشی کرے اور ہم خبریں چھاپیں کہ یہ ایسے ہو گیا، ویسے ہو گیا، تو یہ دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ ہم جو مرضی کریں سب کا رزق بانٹتا رہتا ہے، کسی کا نہیں روکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ کرو۔ اللہ جیسے اخلاق پیدا کرو۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے حبیب ﷺ کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ اس ساری تعلیم کا مکمل ماڈل یہ ہے۔ وہ اخلاق اس طرح کا بنانا پڑتا ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں

ہمیں اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔ اللہ نے کامل اتباع کا نمونہ بنایا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ . (سورة آل عمران ۳- آیت ۳۱)

فرما دیجئے کہ اگر خدا کی محبت چاہئے تو حضور ﷺ کا اتباع کرو، خدا تم سے محبت کرے گا۔ یہ اتباع کامل ہے۔ یہ نہیں ہے کہ شلوار قمیص پہن لی، یا ٹوپی کسی خاص رنگ کی پہن لی۔ وہ اخلاق جو ہے یہ آپ بھی کریں۔ بابا جیؒ نے بھی لکھا کہ پرانے بزرگ جو ہیں وہ بھیک منگاتے تھے، گلیوں میں جھاڑو دلاتے تھے۔ کسی کو فقیری چاہئے تو مندرے پہن لیتے، کالا رنگ کر لیتے اور بیٹھ جاتے۔ مانگنے والے سے آنے والا ہر قسم کی بات کرے گا۔ وہ فقیر تو بے چارہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہی کہتا ہے کہ بھلا ہو، بھلا ہو جائے۔ کوئی گالی دے تو کہتا ہے چلو بھائی سلام ہو۔ مطلب یہ کہ اس کا غصہ نکل جائے۔ مسافروں کو پانی پلاتے، مالیاں صاف کراتے۔ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے کہا کہ اب ایسا دور ہے، یہ کون کرے گا؟ کسی سے کہو کہ جھاڑو دو، مالیاں صاف کرو، تو لوگ کہیں گے کہ بابا اپنے پاس رکھا ایسی فقیری۔ بابا جیؒ نے کہا کہ جیسا زمانہ ہوتا ہے ویسی ہی تعلیم ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا

کہ اب ہم نے اس کو مختصر کر دیا ہے۔ اب یہ سب کچھ گھر میں ہی پیدا ہو جائے گا۔ ہم نے دو ذکر بتائے ہیں، بس یہی ہیں اور کوئی نہیں تیسرا۔ لا الہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر ہے۔ ہم نے اور کوئی نہیں بتایا: افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔

قرآن میں بھی لکھا ہے کہ جنت میں وہی داخل ہوگا جو غصے کو پی جانے والا ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ آل عمران ۳- آیت ۱۳۴)

غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے، وہ جنت میں جائیں گے۔ وہاں کوئی گالی گلوچ نہ ہوگا۔

وہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ سوسائٹی اس معیار کی ہوگی جس کو Entrance ملے گی۔

قرآن میں لکھا ہے، وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں تو راستے میں جاتے جاتے لڑائی ہو جاتی ہے۔ جنت میں داخلے کی ان کی بات ہے جو خرچ کرتے ہیں، خوشحالی میں اور تنگدستی میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ۔ غصے کو پی جانے والے ہیں۔

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ۔ لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ ایسے ہی محسن ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے۔

بتا دیا کہ یہ کرنا ہے۔ حضرت خواجہ عبدالکیم انصاری صاحبؒ نے فرمایا کہ غصہ اور

نفرت کو چھوڑ دو۔ اس کے لئے آپ کو باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں ہی یہ ہو جاتا ہے۔

وہاں گھر میں ہی زیادہ جلال آتا ہے۔ گھر میں بندہ ماشاء اللہ Administrator ہوتا ہے۔

وہاں غصہ زیادہ آتا ہے۔ بچے ہیں، پلیٹ توڑ دی، سائیکل خراب کر دی۔ اس پہ غصہ آگیا تو اسے

پھینٹی لگا دی کہ کیوں کیا؟ بابا جیؒ نے کہا کہ ایسی باتوں سے یہ مجاہدہ گھر میں ہی پورا ہو جاتا ہے۔

باہر نہیں جانا پڑے گا۔ ادھر گھر میں ہی یہ ہوگا۔ یہ Requirements ہیں۔ یہ دی ہوئی ہیں۔ یہ ضرور کرنی پڑیں گی۔ فرمایا کہ یہ گھر میں ہی سلیپس پورا ہو جائے گا۔ ذکر بھی ادھر ہی کرو۔ دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے کرنا ہے۔ دنیا سے بھاگنے والی بات نہیں ہے۔ اس میں رہتے ہوئے کرنا ہے۔ یہ نبی پاک ﷺ کا طریقہ ہے۔ یہ صحابہ کا طریقہ ہے۔ صحابہؓ نے بھی ایسا کیا۔ جنگیں لڑیں، شادیاں کیں۔ زیادہ زیادہ شادیاں کیں۔ بچے بھی دو ہی اچھے نہیں، چالیس چالیس، پچاس پچاس بچے تھے۔ اس کے ساتھ رہ کر یہ سارا کچھ کرنا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہے کہ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں صحابی جو ہے وہ بڑی نمازیں پڑھتا ہے، ذکر میں رہتا ہے، مسجد میں رہتا ہے، قرآن پڑھتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھانا کون کھلاتا ہے؟ روٹی کون کھلاتا ہے؟ فرمایا گیا کہ اس کا بھائی کھلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھائی اس سے اچھا ہے۔ وہ جو بھائی آتا ہے وہ اچھا ہے۔ جو اپنے بال بچوں کو کھلاتا ہے، وہ اس کو بھی کھلا رہا ہے، وہ اس سے اچھا ہے۔ یہ تو صرف اس کام پہ بیٹھا ہوا ہے۔ دنیا کے اندر رہ کر کرنا یہ افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے یہ افضل ہی ہوتا ہے۔ مشکل ہے، مشکل ہی افضل ہوتا ہے۔ دنیا میں رہ کر کرنا مشکل ہے۔ آج یہ ہو گیا، آج وہ ہو گیا، رشتہ داروں کے ہاں Problem ہو گیا ہے، حق پر چلے تو اس میں تکلیف آئی ہے۔ کہا کہ اسے تحمل کے ساتھ برداشت کریں۔ اچھے مسلمان بنیں۔

رجاء

(حضرت شیخ عبدالقادر عیسٰی الشاذلی)

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر اعتماد کرنے سے دل میں جو سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے رجا کہتے ہیں۔ لیکن رجا کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر رجا خوف فریبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رجا کی ترغیب دی ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آپ فرمائیے! اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

اور اپنی وسعت رحمت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر۔“ (اعراف: ۱۵۶)

اور اس کی بارگاہ سے رحمت کی اُمید رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا:

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ

میں تو یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی۔“ (بقرہ: ۲۱۸)

احادیث طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا بیان ہوا ہے:

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہوں کا ارتکاب نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایک نئی قوم لے آئے جو گناہ کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے۔ (مسلم)

”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے انتہائی قریب کرے گا اور اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ اسے کہے گا کہ تم اپنے فلاں فلاں گناہ کو جانتے ہو تو بندہ کہے گا۔ ہاں یا رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی اور آج تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اس کو نیکیوں کا نامہ اعمال عطا کر دیا جائے گا۔ (مسلم۔ بخاری)

رجاء اور تمنا میں بہت فرق ہے کیونکہ راجی رضائے الہی کا خواہشمند ہونے کے ساتھ ساتھ عبادات و اطاعات کو ترک نہیں کرتا۔ جبکہ تمنا کرنے والا عبادات اور مجاہدات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے اجرو ثواب کا منتظر ہوتا ہے۔ اسی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے تمنا اور آرزو پر اکتفا کیا وہ عاجز ہے۔“ کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رجاء کا طالب ہو اسے چاہئے کہ اخلاص کے ساتھ محنت اور کوشش کرے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود کو پا لے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے:

”پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو“ (کہف: ۱۱۰)

جب بندہ عروج و شباب میں گناہوں میں مستغرق، نفسانی خواہشات میں گھرا ہوا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ خوف کو رجاء پر غالب رکھے۔ لیکن بڑھاپے میں جانب رجاء ہی غالب

ہونی چاہئے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ایسے سلوک کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ اس طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو۔“ (مسلم)

سالمک جب قرب الہی کے حصول کیلئے راہ سلوک کی منازل طے کر رہا ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خوف و رجاء دونوں کو مد نظر رکھے۔ نہ تو خوف رجاء پر غالب ہو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اور نہ ہی رجاء خوف پر غالب ہو کہ وہ معاصی اور گناہوں میں مستغرق ہو جائے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان محور و از رہے۔ حتیٰ کہ قرب الہی کی سعادتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی کیفیت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے: ”دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے۔“

یعنی وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے خوف سے اور جنت کی طمع میں اس سے دوری کے خوف سے اور اس کے قرب کی خواہش میں اس کی بے رحمی کے خوف سے اور اس کی رضا کی خواہش میں۔

اہل رجاء کے مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ ابن عجبیہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”عوام کی رجاء یہ ہے کہ وہ حصول ثواب کے ساتھ حسن خاتمہ کے اُمیدوار ہوتے ہیں اور خواص رضا الہی اور اس کے قرب کے طالب ہوتے ہیں۔ اور خاص الخواص مشاہدہ حق میں تمکین اور اسرار خداوندی میں ترقی کے طلبگار ہوتے ہیں۔“

آزادی

(حکیم محمد سعید)

اگر کارزار حیات پر فکر و نظر کی جملہ توانائیاں مرکوز کر دی جائیں تو ابتدائے آفرینش سے آج تک پوری تاریخ میں جو حقیقت سب سے بلند و بالا نظر آئے گی وہ یہ ہوگی کہ انسان کے قیام و بقاء کا انحصار سعی و جہد مسلسل پر ہے اور اس ساری تگ و دو میں حریت اور استقلال خودی عظیم ترین ہدف ہے۔ تاہم حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ حریت کے معنی و مفہوم کو اسلام نے جس قدر گہرائی کے ساتھ سمجھا ہے اور اہل اسلام نے جن جذبات و احساسات کے ساتھ حریت کو اپنی زندگی کا مقصود اور اپنی حیات کا منہا بنایا ہے، دیگر ادیان و مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ درحقیقت حریت وہ جوہر آب و آتش کا مرکب ہے کہ جو مسلمان کو اقوام و ملل میں ممتاز بناتا اور مشخص رکھتا ہے۔ ایک سچے مسلمان اور ایک صادق و راسخ کلمہ کو کا امتیاز فکر اور اس کی معراج فکر یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر طاقت کا باغی ہوتا ہے۔ وہ صرف ذات باری تعالیٰ جل شانہ سے ڈرتا ہے۔ وہ تقویٰ کی شان کے ساتھ کارزار حیات میں قدم رکھتا ہے اور اپنی حریت فکر اور اپنی حریت عمل کے مظاہرے سے چشم عالم کو خیرہ کر دیتا ہے حریت ایک مسلمان کا سب سے بڑا امتیاز ہے، ایسا امتیاز کہ جو تقویٰ کی صفت سے آراستہ ہو کر رزم گاہ خیر و شر میں تیغ اخیل بن کر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کو تنہا باطل کے ساتھ ساتھ رفعت دین سے بھی ہم کنار کر دیتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ حریت اور آزادی سے عبارت ہو جاتا ہے۔ اسلام حریت اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے۔ یہ وہ دین متین ہے جو نوع انسانی کو اس کی غصب کی ہوئی آزادی اور حریت فکر و عمل واپس

دلانے کے لیے آیا تھا۔ انسان کی حریت کو بادشاہوں نے، اجنبی حکومتوں نے، خود غرض پیشواؤں نے اور معاشرے اور سوسائٹی کی طاقت و رجاعتوں نے غصب کر رکھا تھا۔ ان غاصبان کا دعویٰ یہ تھا کہ طاقت حق ہے، لیکن اسلام نے اس مدعا کی صریحاً نفی اور برملا تردید کی اور اپنے ظہور کے ساتھ ہی اعلان کیا کہ طاقت حق نہیں ہے، بلکہ حق طاقت ہے اور اللہ کے سوا کوئی دوسری طاقت انسان کو غلام و محکوم بنانے کی مجاز نہیں۔ اسلام ہی وہ دین عظیم ہے کہ جس نے حریت انسانی اور حریت فکر و عمل کو بہ درجہ کمال اہمیت دی اور انسانی اخوت اور مساوات کا عالمی درس دے کر نوع انسانی کو عظمتوں سے روشناس اور رفعتوں سے ہم کنار کیا۔ اسلام نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کرۂ ارض پر تمام انسان آزاد ہیں اور حریت ان کا مقام ہے نیز یہ کہ تمام انسان درجے میں برابر ہیں اور ان کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت اور رنگ معیار فضیلت نہیں، بلکہ معیار فضیلت عمل ہے۔

قرآن کے مطابق انسانوں میں سب سے بڑا وہی ہے کہ جس کے کام اچھے ہوں:

”لو کو! ہم نے تم کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

”آزادی“ کا لفظ ہر قاری اور ہر سامع کے ذہن میں ایک مختلف تصور پیدا کرتا ہے اور بالعموم اس کی نسبت انسانی زندگی کے انفرادی پہلوؤں سے متعلق اور مختص ہوتی ہے۔ آزادی آمد و رفت، آزادی رائے، آزادی فکر و خیال، آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اجلاس وغیرہ کی تراکیب اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اسی طرح سیاسی آزادی کا ایک مفہوم وہ ہے کہ جو مغربی تحریک ”انسانیت“ کی پیداوار ہے۔ یہ ایک مربوط مغربی فلسفہ ہے جس کی رو سے تمام

ماورائی اعتقادات کو شدت سے رد کرتے ہوئے انسان کو اپنی ذات کو مرکز بنانا چاہیے اور اپنی عقل و خرد کے سہارے سائنس اور جمہوریت کے عمرانی عمل میں آرام و راحت اور ترقی و کمال کی جانب گامزن ہونا چاہیے۔

تاریخی اعتبار سے تازہ ترین تصور آزادی وہ ہے جو اشتراکیت نے پیش کیا ہے۔ اس تصور ”آزادی“ میں ایک طرف تاریخ کی جبری مادیت پر ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری طرف مکمل دہریت پر اعتقاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اگر سیدھی طرح ممکن نہ ہو تو بے دریغ اور بے رحم خوں ریزی کے ذریعے سے تمام طبقات کو صفحہ ہستی سے مٹا کر صرف ایک پرولتاری طبقے کا اقتدار قائم کیا جائے۔

نام نہاد تحریک انسانیت، سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے مابین ایک نمایاں قدر مشترک ہے اور وہ ٹھیک اسی طرح ہے جیسے استعمار پرستی دونوں کی صفت خاص ہے۔ انسان کی ذات کو دونوں میں خود عنانی، بلکہ مطلق العنانی کی مرکزی حیثیت حاصل ہے، لیکن یہ ملکوں اور قوموں، دونوں کو پوری آزادی سے ہڑپ کر جاتے ہیں۔

انفرادی سطح پر بھی انسان اشتراکی نظام کی تاریخ جبریت کے شکنجے میں جس بری طرح گرفتار ہوتا ہے، اس کے پیش نظر آزادی کا کوئی معقول تصور قائم نہیں ہوتا۔ عملاً اس نظام میں نفس کی آزادی کا جو مسلسل تجربہ ہوا ہے وہ ہمارے سرمایہ علم میں حیرت و عبرت کے سوا کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ سرمایہ داری کو شاید فخر ہو کہ اس نے انسان کی غیر مشروط مکمل آزادی کا سامان فراہم کیا ہے، لیکن اس کے اس افتخار کے کھوکھلے پن کا اجتماعی ثبوت کم زور اقوام کی وہ غلامی ہے کہ جس میں انھیں پہلے سیاسی اور پھر معاشی عنوان سے پابند سلاسل رکھا جاتا ہے۔ ہیومنزم، جمہوریت اور آزادی فرد کے بلند آہنگ غلغلے کے باوجود آزادی کا ان ملکوں میں کیا حشر ہو رہا ہے

اس کی ایک ہلکی سی جھٹک گھر کے بھیدی کے الفاظ میں دیکھئے:

”آج کا انسان ابھی تک اپنی آزادی کو ہر آمر کے قدموں کی نذر کر دینے کے لیے تحریص و اضطراب کا شکار ہے یا مشین کا ایک معمولی سا پرزہ بن کر اسے کھودینا چاہتا ہے۔ اسے طعام و لباس کی فراوانی حاصل ہے، لیکن وہ آزادی سے بہرہ ور نہیں، بلکہ محض ایک مشین ہے۔“ (ایک فردم ”آزادی سے نجات“)

سرمایہ دارانہ آزادی فرد کا یہ انوکھا ستم ہے کہ افراط آزادی محرومی آزادی میں بدل کر رہ گئی ہے۔ آزادی کی پوچھوں حشر سامانیاں دراصل اس کلیدی نکتے سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان اپنے اندر اور باہر کی کائنات کا خود مالک ہے اور اسے آفاق و انفس پر مطلق العنان فرماں روائی حاصل ہے۔ خالق کائنات نے اس نکتہ فساد کی یوں نشان دہی کی ہے:

(پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا اللہ بنالیا)
ذرا سا غور کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ آزادی کا ہر وہ تصور غلامی کا دام فریب ہے جو توحید سے منقطع اور منحرف ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی اصول ہمیشہ یہی رہا کہ انسان کے لیے اپنی آزادی و عظمت کا صرف ایک ہی تصور صحیح اور حقیقت پسندی پر مبنی ہے اور وہ تصور یہ ہے کہ ساری وفاداریاں ایک خالق و مالک سے وابستہ کر لی جائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت کے باب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

(وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے ہدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔)

یہ فرمان اسی حقیقت کی جانب مبلغ اشارہ ہے۔ پھر اس حقیقت کی نشان دہی اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں کی ہے کہ:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

یہی وہ آزادی ہے جس کے بغیر ہر آزادی کسی نہ کسی عذاب کی شکل اختیار کر لیتی

ہے اور آزادی فکر و رائے بھی طوفان بلا خیز کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اقبالؒ نے کہا:

کو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد!

یہ بات کہ انسان ذات باری تعالیٰ سے الہام و ہدایت حاصل کرنے کا پابند بن کر

ایک جبر کا اسیر ہو جاتا ہے اور اس میں ذوق نمود و تخلیق کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کی

اس بے لاگ شہادت سے صرف نظر ممکن نہیں کہ مسلمان کے شعور و ایمان کے عہد تا بندہ میں

جولانی فکر کے ذوق و شوق اور جرات کردار کی عظمتوں نے انسان تہذیب کی آزادی اور تخلیقی

حرکت کو چار چاند لگا دیے تھے۔

تو حید کے صحیح تصور سے سرشاری میں آزادی و تخلیق کے جو بے پایاں امکانات

ابھرتے ہیں وہ کچھ ایسے ہوتے ہیں۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا

یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان

مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا

ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات!

اس کے بعد کیا کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ تصور آزادی ہمہ گیر، آفاقی، پاکیزہ ترین، صحیح معنوں میں انسان دوست اور ترقی پرور ہے؟ اس میں غلامی کی ان تمام اقسام میں سے کسی کی کوئی گنجائش نہیں جن سے انسان اب تک آشنا ہے۔ یہ غلامی کے ان امکانات سے بھی بالاتر ہے جن کا ظہور اب تک نہیں ہوا ہے۔ پاکستان میں یہی آزادی محبوب ہے، یہی انسانوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہو اور یہی زندگی کے ہمہ جہتی عمل میں جاری و ساری ہو۔ اس تصور آزادی سے ہماری محبت کا یہ تقاضہ بھی ہے کہ ہم اسے اپنے ابنائے جنس کے لیے بہترین تحفہ سمجھیں۔

سلسلہ عالیہ توحید یہ کی بنیاد کیوں رکھی گئی

(عزیز عارف)

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ولی اللہ تھے۔ آپ نے نو عمری میں ہی تصوف کا مطالعہ
شروع کر دیا تھا۔ آپ کے دادا محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نہ صرف اپنے وقت کے ایک
جید عالم تھے بلکہ ایک نہایت بلند پایہ ولی اللہ بھی تھے۔ آنجناب نے ابتدائی دس برس تک
قبلہ انصاری صاحبؒ کی پرورش فرمائی۔ اس دوران آپ کی ملاقات دادا جان کے پاس آنے
والے کئی طرح کے صوفیاء سے ہوئی۔ ان کی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتب کا ایک بیش بہا
خزانہ موجود تھا۔ جن میں سے تصوف کے موضوع پر قبلہ انصاری صاحبؒ نے کئی سو کتابیں
محض دس برس کی عمر میں ہی پڑھ لی تھیں۔ دس برس ہی کے تھے کہ دادا جان کا وصال ہو گیا۔
اگلے دس برس یعنی بیس برس کی عمر کو پہنچنے تک آپ مسلسل اس کوشش و تگ و دو میں رہے کہ کسی
بزرگ سے بیعت ہو کر باقاعدہ سلوک طے کریں اس سلسلے میں سینکڑوں بزرگوں سے ملنا ہوا
مگر طبیعت کہیں نہ جچی۔

دراصل دادا جان کے فیض صحبت اور تعلیم سے توحید کا رنگ بہت گہرا ہو چکا تھا۔ اور
تلاش ایک ایسے بزرگ کی تھی جو پابند شریعت ہونے کے ساتھ روشن خیال بھی ہو
Narrow Mindedness سے آپ کو بچپن ہی سے کوفت تھی۔ آپ کو ایک صاحب
علم و عرفان اور محقق عارف باللہ کی تلاش تھی۔ چنانچہ دس سال تک دوران تلاش طرح طرح
کے بزرگوں، عاملوں، شعبہ ہا زوں اور بھنگیوں، چرسیوں تک سے ملاقات ہوئی۔

کئی صاحبان کشف و کرامات کی طرف دل رجوع تو ہوا مگر دادا جان کی دی ہوئی تعلیم کے باعث آپ ان لوگوں سے کنارہ کش رہے۔ دس برس تلاش و طلب میں تو گزرے لیکن فقیری کی بابت بیش بہا علم و تجربہ حاصل ہوا اور اسی دور میں تصوف کی کئی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔ آخر کار اس تلاش و طلب نے آپ کو حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ سے ایسا ملایا کہ چھ گھنٹے ان کی صحبت میں رہے اور بیعت ہو کر ہی اٹھے۔

تین مقاصد عالیہ لیکر آپؒ جناب مولانا کریم الدین احمدؒ سے بیعت ہوئے تھے (1) روحانی طاقت (2) تزکیہ اخلاق (3) دیدار باری تعالیٰ۔ کریم الدین احمدؒ نے فرمایا کہ پہلی دو چیزیں تو آپ کو میرے ذریعے سے حاصل ہو جائیں گی مگر دیدار باری تعالیٰ میرے بس میں نہیں البتہ معرفت خدا کسی حد تک مل جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی دیدار باری تعالیٰ کی نوید سناتے ہوئے قبلہ انصاری صاحب کو بتایا کہ آپ کو کوئی ایسے بزرگ مل جائیں گے جن کے فیض صحبت سے آپ میں وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لئے لازمی ہوتی ہیں اور ان صلاحیتوں میں سب سے پہلے تزکیہ اخلاق اور دوسرا وبتل الیہ تبتیلاۃ

میرا موضوع تو ہے سلسلہ عالیہ توحید یہ کی بنیاد کیوں رکھی گئی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ بانی سلسلہ توحید یہ کی اس جہد مسلسل کا ذکر بالاختصار کر دیا جائے جو آپ نے تلاش حق کے لئے کی۔ قبلہ انصاری صاحبؒ کا مطالعہ وہ بھی اوائل عمر میں، پھر مرشد کی تلاش، بیعت اور سلبے چوڑے ذکر اذکار اور اوراد پر عمل پیرا ہو کر لڑکپن ہی میں سلوک طے کر لینا آپ ہی کو زیبا تھا۔ آپ روحانیت میں پی ایچ ڈی تھے بلکہ آپ کے بقول "عاشق جمالیات" آپ روحانیت کے ایک ریسرچ سکا لرتھے۔ آپ کے دل میں بھنگی ہوئی مسلمان قوم کا درد تھا اور

بھٹکے ہوئے آہو کو سوائے حرم لے جا کر وسعت صحرا سے ہمکنار کرنے کیلئے آپ کے نزدیک تصوف اور روحانیت واحد ذریعہ تھا جسے اپنا کرمو جوہ دور کا مسلمان قرون اولیٰ والی صفات سے متصف ہو کر پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

مگر جہاں ہر شے میں ملاوٹ ہوتی گئی، تصوف بھی جاہل صوفیاء کے ہاتھوں بچ نہ سکا جب معاملہ حضرت ابن عربیؒ تک پہنچا تو کیا سے کیا ہو گیا۔ چونکہ تصوف کا تعلق لطائف غیبی سے تھا جس کا ادراک محض دیکھ کر ہو سکتا تھا اور جس کے لئے مخصوص روحانی آنکھ اور مرشد کامل کی رہنمائی لازمی تھی۔ مثال کے طور پر کیا کوئی بڑے سے بڑا رائٹر رنگوں، خوشبوؤں یا بدبوؤں کو الفاظ میں بیان کر سکتا ہے؟ قبلہ انصاری صاحبؒ بھی فرماتے تھے کہ کیا کوئی بڑے سے بڑا انشاپر دا زگلاب کی خوشبو کو الفاظ میں اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ جس نے کبھی گلاب نہ سونگھا ہو اس کی ناک میں گلاب کی خوشبو آنے لگے۔ چنانچہ لطائف غیبی اور کوائف روحانی کو الفاظ میں بیان کرنے سے عوام میں غلط فہمیوں کا پیدا ہونا یقینی تھا جو کہ ہوا اور یہ پاکیزہ تعلیم "عقیدہ ہمہ اوست" یعنی "وحدت الوجود" تک جا پہنچی۔ منزل کو مقام اور کیفیت کو حقیقت سمجھ کر حضرت ابن عربیؒ کا سفر نہ صرف رک گیا بلکہ انہوں نے غضب یہ کیا کہ اپنی "واردات" کو قلمبند کر دیا۔ چنانچہ جس کسی نے یہ سفر کیا ہی نہ تھا وہ اسے خاک سمجھتا۔ نتیجتاً اسلامی تصوف "ویدانت" سے جا ملا۔ اس لئے کہ ہندوؤں کے رشیوں اور مہیوں کی روحانی ترقی کا آخری نقطہ یہی ہوتا ہے جہاں وحدت الوجود کی کیفیت سے واسطہ پڑتا ہے حالانکہ قبلہ انصاری صاحبؒ کے مطابق "حقیقت کبریٰ" یعنی ذات بحت کی وہ حقیقت جہاں کوئی صفت موجود نہیں اس مقام یعنی مقام وحدت الوجود سے کہیں آگے ہے اور حکمت اسلامی کی یہی فضیلت ہے کہ مسلمان اولیاء و ہاں پہنچتے ہیں جہاں دوسرے ادیان کا کوئی بزرگ کبھی پہنچا ہے نہ پہنچے گا

دراصل وہیں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ "توحید خالص" کیا ہے۔ پھر کچھ بزرگوں نے یہ تک کہہ دیا کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت اور شے۔ بہت سے بزرگوں اور ان کے پیرو کاروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ظاہری عبادت کی ضرورت ہی نہیں کويا۔ نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ تصوف کی تعلیم خفیہ طور سے دیا کرتے تھے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ حضور کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور! استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ چنانچہ جاہل صوفیاء اور تصوف کے جھوٹے دعویداروں نے نماز چھوڑ کر بھنگ اور چرس کا دم لگانا بھی تصوف کا حصہ بنا لیا۔ قبلہ حضور جناب خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعمیر ملت میں ارشاد فرمایا ہے

"ہم نے ایک ایسے پیر کو بھی دیکھا جو کسی مرید کو بیعت کرتے وقت اس سے یہ عہد لیتے تھے کہ "میں نماز کبھی نہیں پڑھوں گا" لوگ ان کو بھی بہت بڑا ولی اللہ مانتے تھے۔ فرمائیے کہ اس کے بعد اور باقی کیا رہ جاتا ہے؟

شریعت کیا ہے؟ ایک سیدھی سادی راہ، طہارت و پاکیزگی، نماز، جگنا نہ کا قیام، رمضان کے روزے، روپیہ ہو تو زکوٰۃ اور حج اور ضرورت پڑے تو بقائے ملت کے لئے جہاد۔ قرآن کریم کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی پر عمل، اعزاء و اقارب اور اہل دنیا سے حسن سلوک جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا۔ شریعت کی غایت یہ ہے کہ مسلم عوام دنیا میں عزت و شرافت سے امن و امان کی زندگی گزاریں، تمدن میں ترقی کریں اور اسلامی تعلیم و تہذیب کو دنیا میں پھیلانیں اور جب مرجائیں تو جنت میں جائیں۔ ان باتوں پر تو ہم پوری طرح عمل کرتے نہیں اور نکل کھڑے ہوتے ہیں طریقت و معرفت حاصل کرنے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا تو ملتا نہیں دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔

خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

چنانچہ قبلہ انصاری صاحب فرماتے تھے کہ تصوف کو چھوڑو حکمت کی تعلیم حاصل کرو جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ملتا ہے اور یہی وہ تعلیم ہے جو حضور رسول کریم ﷺ نے اپنے خاص خاص صحابہ کرامؓ کو دی، وہ بھی اس قدر سادہ، آسان اور سہل العمل کہ جس میں نہ ترک دنیا، نہ بھوک پیاس سے ہلاکتِ نفس، نہ کوئی خاص قسم کا لباس یا وضع قطع اختیار کرنا ہے۔

حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل سے برسوں کا راستہ مہینوں میں اور مہینوں کا دنوں میں طے ہوتا ہے۔ اور وہ روحانی قوت اور دولتِ سرمدی حاصل ہوتی ہے جو دوسرے طریقوں سے کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے تعلیماتِ حکمت کو خرافات، خرابیوں اور ملاوٹوں سے پاک کر کے ان کو زمانہ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق سہل العمل بنانے اور انگریزی پڑھے لکھے طبقے کو علم، حکمت سے روشناس کرانے کے لئے "مجدد ملت" کا کردار ادا کرتے ہوئے سلسلہ عالیہ توحید یہ کی بنیاد ڈالی دنیا کے حکمت میں یہ پہلا سلسلہ تصوف ہے جس کا ایک سلیبس مقرر ہے وہ بھی ایسا کہ جسے کوئی بھی سچا طالب اور طلبِ صادق رکھنے والا مبتدی اختیار کر کے عمل کرے تو محض چند ماہ کے قلیل عرصے میں وہ سب حاصل کر سکتا ہے جو سالہا سال کی محنتِ شاقہ سے ممکن نہ تھا اور جسے گنتی کے چند نفوس ہی اختیار کرتے تھے

سلسلہ عالیہ توحید یہ کا ہر وہ طالب اب عوام سے نکل کر خواص میں شامل ہو سکتا ہے جو قبلہ انصاری صاحبؒ کے بتائے ہوئے طریقوں پر دلجمعی سے عمل کرے۔ اس کے لئے قبلہ محمد صدیق ڈار کا سا عمل درکار ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ کی تعلیم ملی اور بابا جی

انصاری صاحبؒ سے تعارف ہوا تو کام شروع کر لیا اور پھر پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔

بقول بانی سلسلہ جناب قبلہ انصاری صاحبؒ ہمارا سلسلہ، سلسلہ تصوف سے زیادہ ایک اصلاحی تحریک ہے جہاں روحانی طریقے سے معاشرے حتیٰ کہ دنیا کو تبدیل کرنا اور سدھارنا مقصود ہے۔ اس سے آسان، سربلج الاثر اور بہتر طریقہ کوئی ہے بھی نہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ترقی کا راز یہ تھا کہ وہ تقدیر کو عمل کے ساتھ مانتے تھے اور ہم بے عملی کے ساتھ آپؒ فرماتے تھے مختصری ان تعلیمات پر عمل کر کے پہلے خود بن جاؤ اور پھر دوسروں کو بناؤ۔

سلسلہ ہائے عتیق میں لمبے چوڑے اوراد و وظائف اور ذکر اذکار کو عوام تو کیا خواص بھی بمشکل ہی اختیار کر سکتے تھے بلکہ خاص الخاص لوگ ہی اس لائن میں قدم رکھتے تھے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ بلاشبہ اس صدی کے مجدد تھے کہ جنہوں نے تعلیماتِ حکمت کو عوام تک پہنچایا اور ہر کسی کے لئے قابل عمل بنا دیا۔ آپؒ نے اللہ تعالیٰ کے کرم، تائید و نصرت اور اپنی شب و روز کی ان تھک محنت سے روحانیت میں خود وہ مقام و مرتبہ پایا جو صرف انہی کا حصہ تھا۔

حضرت ابن عربیؒ جیسے پائے کے بزرگ کو دورانِ سلوک جس عرفانی غلطی کا سامنا کرنا پڑا اور پھر انہوں نے اسے حتمی سمجھ کر تحریر بھی کر دیا۔ قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے اور آپؒ نے تحریر بھی فرمایا ہے کہ "یہ عالم ہو تھا جہاں ایسی غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ یہاں ابن عربیؒ سراب کو حقیقت سمجھ بیٹھے اگر وہ ہمت نہ ہارتے اور عدم کی صعوبات پر صبر کرتے اور اسے طے کر کے بساط کے عوالم میں پہنچ جاتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے۔

سلسلہ عالیہ توحید یہ اس لئے بھی قائم کیا گیا کہ راہِ سلوک میں پیش آنے والی ہر قسم کی رکاوٹوں اور عرفانی غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے اور اگر کوئی سالک کسی غلطی میں پھنس کے کہیں اٹک جائے تو شیخ سلسلہ اپنے فیض اور تصرف سے اس کی رہنمائی کر کے اسے رکاوٹ

پار کر دیں اس لئے کہ یہ راہ ان کی دیکھی بھالی ہے۔ عقیدہ وحدت الوجود سے تو بہت ساسفر طے کرنے کے بعد واسطہ پر سکتا ہے جبکہ برصغیر پاک و ہند میں تو بنیادی عقیدہ تو حید ہی متزلزل ہو چکا ہے۔ دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب اس کا کبر بادشاہ کا دین الہی تھا۔ چنانچہ عرصہ دراز کے بعد ہمارے سلسلے کے پیشوا جناب مجدد الف ثانیؒ نے پر زور طریقے سے وحدت الوجود کا بطلان کیا بلکہ جہانگیر کو سجدہ تعظیمی نہ کر کے تو حید کا ڈنکہ بجایا تھا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے ہے گرمی عا حرار

قبلہ حضور انصاری صاحبؒ کے نزدیک "حکمت" اشرف اور فاضل ترین علم ہے۔ اس سے عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے جو حسی نظر آنے لگتی ہیں۔ جناب رسول کریم ﷺ اور انبیائے عظام کی زیارت ہوتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت آ جاتی ہے اور مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اللہ کی معرفت، حضوری اور قسمت میں ہو تو لقاء یعنی دیدار نصیب ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یعنی قبلہ انصاری صاحبؒ کے نزدیک یہ سب مل جانے کے باوجود کوئی عارف دین و دنیا میں امت محمدیہ ﷺ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کیلئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لئے بے کار ہے۔

چنانچہ سلسلہ عالیہ تو حید یہ کے قیام کا مقصد یہ بھی تھا، ہے اور رہے گا کہ فرد اور پھر معاشرے کی ظاہری اور باطنی تطہیر کی جائے۔ عقیدہ تو حید کو قلوب و اذان میں راسخ کیا جائے شعائر اسلام پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے اور امت محمدیہ ﷺ کی فلاح و بہبود کی خاطر اپنا ایک ایک پیسہ اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ نچھاور کر دیا جائے۔ قبلہ حضورؐ نے روحانیت میں

بلند ترین مقام کے حصول کے ساتھ گھر، معاشرہ، والدین، زوجین، اولاد، گھر کے دیگر مکین، پڑوسی، دوست احباب، عامۃ المسلمین، لین دین، سودا سلف نکاح و طلاق اور پردہ تک سب کے حقوق و فرائض کا تعین بطریق احسن فرما کے اپنے سلسلہ کو دیگر سلاسل سے ممتاز کر دیا ہے۔ اور خاص کر برادران سلسلہ کو آپس میں گئے بھائیوں سے بھی زیادہ پیار کرنے کا عملی سبق سکھایا ہے ایک غیر مسلم نے ایک مرتبہ انصاری صاحب کو خط میں لکھا تھا کہ "آپ کے مریدین تو چلتے پھرتے فرشتے ہیں۔"

بانی سلسلہ نے صحت، طہارت، لباس، مکان، پابندی وقت، غسل، عبادت، ورزش، کھیل، کام، تفریح، علم، تجربہ، عزت نفس (Self Respect) خود اعتمادی، عمل اور حقوق العباد جیسے موضوعات بھی نہ صرف تعمیر ملت میں تحریر فرمادیئے بلکہ اپنی نجی محافل میں بھی ایسے بیان فرماتے رہے کہ گھنٹوں بیٹھے رہنے کے باوجود وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا تھا کہ آپ کا فرمان ہے کہ اپنے حقوق ذمہ داری سے ادا کرو اور دوسروں کے ذمے جو آپ کے حقوق ہیں وہ لے کر رہو۔ ایسا رو قرآن بانی اپنے حقوق کی کر سکتے ہوں نہ کہ متعلقین یا ملک و ملت کی۔ متعلقین کے حقوق میں دستبردار کر کے دوسروں کی مدد کرنا ایسا نہیں بلکہ گناہ ہے۔ اسی طرح گھر کے باہر میل ملاقات، لباس، گفتگو، دعوتیں، کھانے کے آداب، آداب نشست و برخاست، چلنے پھرنے کے آداب، خرید و فروخت، کسب معاش، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، ملازمت ہو تو قابلیت، قوت برداشت، خود اعتمادی، احساس ذمہ داری، جدت، تعاون، نظم و ضبط یعنی ڈسپلن، جذبہ خدمت و امداد، دیانتداری، ایفائے عہد، اصلاح، انصاف، انتقام و معافی، تجسس اعمال اور بدگمانی سے بچاؤ اور پھر غیبت و بدگوئی، چغلی، حسد، جھوٹ سے مکمل پرہیز۔ لحاظ و مروت، عجز و انکساری، کبر و غرور اور رقابت کے معاملے میں ہمیں کیسے

Behave کرنا چاہیے سب بتادیا۔ آپ فرماتے تھے کہ قرآن پاک میں سب ہی کچھ ہے ہاں نہیں ہے تو ایک چیز۔ آپ حیران ہونگے کہ وہ کیا ہے؟ تو سنو! قرآن میں، ہاں اسی قرآن میں جس میں سب کچھ ہے یہ کہیں نہیں لکھا کہ اگر ایک مسلمان ملک پر کسی غیر مسلم قوم کا قبضہ ہو جائے اور مسلمان محکوم اور غلام بن جائیں تو اس صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ بے شک قرآن میں محکومی اور غلامی کی زندگی بسر کرنے کے قاعدے کہیں نہیں بتائے گئے لیکن یہ قرآن کا نقص نہیں ہے، یہ اس کی خامی اور کمی بھی نہیں، یہ تو اس کی تعلیم کے قطعی، آخری اور مکمل ہونے کا عین ثبوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف عزت اور اقتدار اور آزادی و حاکمیت کی تعلیم دیتا ہے۔ جو قومیں اس کی تعلیم پر چلیں گی معزز، مقتدر، آزاد اور حاکم رہیں گی محکومی اور غلامی کی زندگی سے انہیں واسطہ ہی نہ پڑے گا۔ البتہ جو لوگ اس کی تعلیم سے روگردانی اور سرتابی کریں گے وہ محکوم اور غلام ہو جائیں گے۔ اس صورت میں قرآن یا اس کے مائل کرنے والے پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

بقول قبلہ انصاری صاحب ہمارا حلقہ پاکستانی عوام اور معاشرے کی اصلاح اخلاق کیلئے بنایا گیا ہے۔ اگر یہ ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری زندگی بے کار نہیں گئی۔ مگر رونا تو یہ ہے کہ جس قسم کی پیری فقیری کے قصے عوام الناس ہزار برس سے سنتے آرہے ہیں اس کے مقابلے میں ہماری بات کون سمجھے گا۔ آپ فرماتے تھے کہ کرامات تو فضول باتیں ہیں۔ ہمارا حلقہ تو اصلاح کرنے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ فقر تو سراسر اخلاق ہے اور لوگ اخلاق کی الف۔ ب۔ ت بھی نہیں جانتے۔ کرنے کی بات یہ ہے کہ سرگرمی سے تعلیمات پر عمل کیا جائے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا جائے۔

سلسلہ توحید یہ کی تعلیم کی ترویج کیلئے عملی اقدامات

(عبدالقیوم ہاشمی)

قرآن مجید میں ہے کہ

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا

ایندھن انسان اور پتھر ہونگے"۔ (التحریم 6)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو سب سے پہلے اپنی ذات کو دوزخ کے عذاب سے بچانا فرض ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ ساری دنیا کی اصلاح کی اپنے دل میں ٹھان لینے سے پہلے اپنی اصلاح اور فلاح کے مرحلے سے گزر جائے اسکے بعد جو آپ کے زیر اثر لوگ ہیں ان کی فکر کی جائے۔ لہذا قرآنی طریقہ تعلیم میں ہماری ذاتی اور انفرادی اصلاح کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر لوگ جو پہلے اصلاح کے دائرے میں آتے ہیں وہ ہمارے اہل و عیال اور عزیز و اقرباء ہیں۔ اس ضمن میں حضور نبی کریم ﷺ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کو اعلان نبوت سے قبل ہی عرب معاشرے میں صادق و امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ کفار و مشرکین بھی عقیدے کے ٹکراؤ کے باوجود اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے سے پہلے اپنے اخلاق کا تزکیہ کرنا فرض ہے۔ اس کے بغیر دعوتِ الی اللہ کے مشن پر گامزن ہونا قرآنی اصولوں کے خلاف ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یعنی راہِ الہی کی طرف دعوت دیجیے حکمت اور نصیحت بھری باتوں سے"۔

چنانچہ اللہ کی طرف بلائے والے ایک داعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ صاحب حکمت ہو اور فرمان الہی کے مطابق صاحب حکمت کو ہی خیر کثیر عطا کی جاتی ہے۔ لہذا صاحب حکمت و صاحب یقین اور فلاح یافتہ شخص ہی مصلح بننے کا اہل ہے۔ اسلامی معاشرے کے بگاڑ کا اصل محرک اور وجہ بھی یہی ہے کہ علماء و صوفی حضرات اور مبلغین اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوئے بغیر ہی اصلاح کے میدان میں کود پڑتے ہیں حالانکہ وہ خود ابھی قابل اصلاح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں نفرت، حسد، تفرقہ، عدم مساوات اور دیگر روحانی بیماریاں ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور معاشرہ فتنہ و فساد کا منظر پیش کر رہا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلمان اسلام کے مطابق عمل کرتے تھے تو دنیا کے لوگ انکی تجارت، دیانت، امانت، تقویٰ اور شرافت کو دیکھ کر بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔ سارا مشرق بعید مسلمانوں کے لشکروں سے فتح ہو کر نہیں بلکہ مسلمان تاجروں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار دیکھ کر مسلمان ہوا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اسلام پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا تو دنیا اب علماء کا بھی کوئی اثر قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ اصل چیز کردار تھا جو دلوں پر اثر کرتا تھا۔ بانی سلسلہ توحید یہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ مسلمانوں کے حالات اور زندگی کے طویل تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور اسکے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص کی کمی اور اخلاق کا بگاڑ ہے اور وقت کا سب سے بڑا اور ضروری کام اخلاص و اخلاق کا پیدا کرنا ہے اور اس کا سب سے موثر ذریعہ محبت ہے اور محبت کا ذریعہ ذکر و صحبت ہے۔ اس اخلاص اور محبت سے ہر دینی کام اور ہر اصلاحی کوشش میں جان پڑتی ہے، اسی سے عبادات میں روحانیت، علم میں نورانیت اور تعلیم و تدریس میں برکت و قوت، واعظ و

ارشاد میں تاثیر، تبلیغ و دعوت میں قبولیت اور معاملات زندگی میں ایثار و قربانی اور استواری پیدا ہوتی ہے۔

ایک مغربی مفکر (ایمرسن) کا قول ہے کہ انسان دراصل وہی کچھ ہے جو وہ تمام دن سوچتا ہے۔ ذکر کی آخری انتہا یہ ہے کہ ہر وقت سوچ اور دھیان اللہ کی طرف لگا رہے خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت یا کھیتی باڑی کرتا ہو مگر خیال ہر وقت اسی طرف رہے جیسے کسی کو سر درد ہو تو اگر چہ دبا تیں کرتا رہتا ہے اور کام بھی کرتا رہتا ہے لیکن خیال درد کی طرف رہتا ہے۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استقامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا ذکر اللہ میں اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کر لے سکون نہ ہو، بے قراری سی رہے اور جب ذکر پورا کر لے تو طبیعت میں فرحت و سکون اور سرور محسوس ہو۔ فرمایا جب کوئی اس درجہ پر پہنچ جائے تو اس کا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ ابتدائی چالیس سالہ زندگی میں کفر و شرک، بت پرستی، بد اخلاقی کے تمام مظاہر دیکھا کرتے تھے مگر آپ غار حرا تشریف لے جاتے اور اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے اور اس وقت تک عرب معاشرہ میں اصلاح و تبلیغ کا آغاز نہ فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نازل نہ ہوا۔ امام غزالیؒ اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ حصول یقین و اخلاص کے بعد کے مشاغل و خدمات اور اس سے پہلے کے امور میں زمین و آسمان کا فرق تھا، پہلے میں یہی کام تقاضائے نفس یا ضابطہ کی تکمیل کیلئے کرتا تھا اب حکم الہی سے اس لئے چراغ سے چراغ جلانے سے پہلے اپنے چراغ کو جلانا چاہیے۔ اس چراغ کا تیل اخلاص اور تعلق باللہ سے کیش ہوتا ہے اور محبت الہی کے شعلہ و شرر سے روشن ہوتا ہے۔

سلسلہ توحید کی تعلیم کا فروغ اور ترویج اسی وقت شمر آ رہو گی جب ہم سب بھائی سلسلہ توحید کی تعلیمات پر خود جوش و خروش سے عمل کریں گے اسکے لئے پہلے ہمیں انفرادی

اصلاح کی جانب بڑھنا ہوگا۔ اور یہ اصلاح زندگی کے آخری دم تک جاری رہنی چاہیے۔
ارشاد ربانی ہے: "اپنے رب کی بندگی کرتے رہو مرتے دم تک۔"

تمام مفسرین یہاں یقین کا ترجمہ موت کرتے ہیں تاکہ کوئی بھی شخص یہ خیال کر کے
اپنی اصلاح ترک نہ کر دے کہ میں کامل ہوں اور صاحب یقین ہوں اس لئے اللہ کی بندگی
سے آزاد ہو چکا ہوں۔ یہ بھی شیطان کی ایک چال ہے جس میں ہمارے اکثر صوفی حضرات
گمراہی کے مرتکب ہو کر نمازیں اور دیگر شرعی امور ترک کر دیتے ہیں۔ انبیائے کرام کا طریقہ
اصلاح یہی ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کیا جائے اور پھر دوسروں کی اصلاح کی فکر کی جائے۔
ہمارے کاہرین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "مسلمانوں میں
کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق اچھا ہے"۔ اس ضمن میں ہم سب بھائیوں کو ہر لحظہ اپنا
جائزہ لیتے رہنا چاہیے کیونکہ اگر ہمارا اخلاق و کردار عام لوگوں جیسا ہی ہوگا تو کوئی بھی شخص
سلسلہ توحید کی تعلیم سے متاثر نہ ہوگا۔ لہذا ہم سلسلہ کی تعلیمات میں خود رکاوٹ بنیں گے۔
جب ہمارا اخلاق اور کردار بلند ہوگا تو یقیناً سلسلہ توحید کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوگا۔
ہمیں چاہیے کہ ان تعلیمات سے اپنے دوستوں اور عزیز و اقرباء کو ضرور متعارف کروائیں۔
اس طرح سلسلہ توحید کی تعلیم کی ترویج و ترقی میں بہت پیش رفت ہو سکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اور اپنے احباب کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور سلسلہ
توحید کی تعلیم کو معاشرہ میں فروغ اور ترقی عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

محبت، شوق اور اُنس

(امام غزالیؒ)

محبت کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ علم و معرفت ضروری ہے۔ علم و معرفت کا یہ مطلب ہے کہ جس چیز سے محبت کرتا ہے اُسے جانتا ہو۔ جاننے اور پہچاننے کا شعور ہو۔ اس تعریف کے بعد خود بخود درجات اور نانات وغیرہ اس سے نکل جاتے ہیں کہ وہ کسی سے محبت کر سکیں۔ محبت میں طبیعت کا میلان ایسی چیز کی طرف ہوتا ہے جس سے طبیعت کو لذت ملتی ہے۔ اگر لذت نہ ملے بلکہ تکدر ہو تو وہاں نفرت ہوگی محبت نہ ہوگی۔ یہی طبعی میلان جب پختہ ہو جاتا ہے تو عشق بن جاتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے نفس کے علاوہ دوسروں سے بھی محبت کرتا ہے مگر یہاں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کے نفس کو فائدہ ہوتا ہے، رہی یہ بات کہ غیر سے محبت ہو اور اس کے اپنے نفس کو دخل نہ ہو یہ ذرا مشکل امر ہے۔ اگر چہ ایسی محبت بھی پائی جاتی ہے اور ممکن ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جو اپنے آپ سے اور اپنے نفس سے محبت کرتا ہے تو اس کی طبیعت میں یہ رغبت ہوتی ہے کہ اس کا نفس دائمی طور پر باقی اور قائم رہے۔ اسی لیے انسان موت سے نفرت کرتا ہے کہ اس میں نفس کا دوام اور بقا ختم ہو جاتا ہے۔ موت سے اس لیے ڈرتا ہے کہ موت کے بعد کے حالات سے خوف زدہ ہو جاتا ہے، اس کا تو شاید ہی کسی کو احساس ہوتا ہو۔ پھر دوسری بات انسان کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا کمال دیکھنا چاہتا ہے، نفس کا نقصان انسان کو کسی حال میں گوارا نہیں ہے اب انسان جو اپنے اعضاء مال و دولت، عزیز و اقارب، رشتے دار اور دوستوں سے محبت کرتا ہے تو وہاں یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ ان سب باتوں سے اس کے نفس کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر انسان جو اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے وہاں بھی یہی نفس کا دائم اور باقی رہنا مطلوب ہوتا ہے کیونکہ انسان نفس کی بقا تو چاہتا ہے مگر یہ بھی جانتا ہے کہ یہ تمنا فضول ہے، نفس کو دوام اور بقا بہر حال نہیں مل سکتی تو وہ اولاد کو اپنے بعد نائب اور قائم مقام جانتا ہے اور چاہتا ہے کہ میرا لڑکا باقی رہے تا کہ نسل باقی رہے اور نسل کی بقا میں کسی نہ کسی درجے میں اس کی اپنی بقا ہے۔ لوگ ہمیشہ اس لڑکے کو اس کے نام سے جانیں گے تو دنیا میں نام تو زندہ رہے گا۔

دوسرا محبت کا احساس ہوا کرتا ہے۔ مشہور ہے ”الانسان عبد الاحسان“ انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ احسان کرنے والوں سے محبت ہوتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو اس کا سرا بھی اول سبب سے جاتا ہے کیونکہ احسان کرنے والا مدد ہی کرتا ہے اور اس مدد سے نفس کو دوام یا کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے جو شخص محسن سے اس کے احسان کی وجہ سے محبت کرتا ہے، وہ محسن کی ذات سے محبت نہیں کرتا اس کے احسان کی وجہ سے کرتا ہے۔ تیسری وجہ محبت کی یہ کہ کسی شخص یا چیز کی ذات سے محبت ہو جائے خواہ اس سے خود کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، یہی محبت حقیقی کہلاتی ہے اور یہ محبت دیر پا ہوتی ہے جیسے کسی جمال کی اور خوبصورتی کی محبت۔ یہاں جمال کا ادراک خود ایک لذت ہے، اور لذت انسان کو بہر حال محبوب ہوتی ہے، ہنر، آب رواں، فطرت کے دوسرے مناظر بالطبع محبوب ہوتے ہیں، انہیں سوائے دیکھ کر لذت پانے کے اور کوئی نفع نہیں حاصل ہو سکتا۔ یہاں حسن اور جمال کو کسی خاص صورت شکل سے مقید نہ کریں بلکہ حسن و جمال کا حقیقی اور وسیع تصور ذہن میں رکھیں کیونکہ بعض نقش و نگار، بعض خوبصورت خیالات اپنے اندر حسن رکھتے ہیں اگرچہ وہ ظاہری شکل و صورت سے خالی ہیں۔ اسی طرح زندگی کے تمام کاموں میں ایک حسن مطلوب ہوتا ہے، جو پسندیدہ بھی ہوتا ہے، اس حسن کی تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے، کسی شے کا حسن اور جمال دراصل یہ ہے کہ جس قدر کمال اس شے کے لیے مناسب ہو سب اس میں پائی جائے۔ جب وہ تمام کمال جو اس شے میں ممکن ہو اس میں جمع ہو جائے تو اس شے کو بہت حسین کہیں گے۔ اور کمال میں جس قدر کمی ہوگی اس قدر حسن کے معیار سے گری ہوگی۔ مثلاً حسین گھوڑا وہ ہے جس میں یہ تمام خوبیاں جمع ہو جائیں صورت، شکل، رنگ، خوش رفتاری، مالک کی اطاعت وغیرہ، عمدہ خط وہ ہے جس میں خوشنویسی کے تمام اوصاف کا کمال پایا جائے حروف مناسب ہوں، کشش درست ہو، نشست صحیح ہو۔

بعض اوقات حسن ایسی چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے جس کا حواس و ادراک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مثلاً کسی کا اخلاق عمدہ ہو، کسی میں بہترین خصلت ہو، کسی کے بات کرنے کا افہام و تفہیم کا انداز نہایت خوبصورت ہو، دیکھیے ان چیزوں کا حواس خمسہ سے کوئی تعلق نہیں، اس کا تعلق دل اور ذہن کی پسندیدگی سے ہے، چونکہ یہ تمام خوبیاں اچھی ہیں اس لیے جس شخص میں یہ خوبیاں پائی جائیں گی اسے بھی لوگ پسند کریں گے۔ اسی طرح انسانوں کا پہلے گزرے ہوئے بزرگوں سے محبت کرنا بھی باطنی احساس کے ذریعے ہوتا ہے

یعنی ان لوگوں میں جو خوبیاں تھیں ان کی وجہ سے آج تک لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض محسن و جمال اور اچھائیاں وہ ہیں جو محض نور بصیرت سے معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا ظاہری اعضاء سے کوئی تعلق نہیں اچھائی، نیکی، حسن و جمال کے بذات خود محبوب ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کسی بادشاہ کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ عادل، انصاف پسند، رعایا پرور و مہربان تھا تو دل ایسے حاکم کی طرف کھینچتا ہے خواہ اُسے مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہوں یا وہ زندہ بھی ہو تو ہزاروں میل دور ہو کہ کسی حال میں خود کو اس سے فائدہ پہنچنے کی توقع نہ ہو مگر دل اس کی طرف ضرور مائل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ محبت میں یہ ضروری نہیں کہ کسی پر احسان ہی کیا جائے تب محبت ہوگی بلکہ محسن اپنی ذات سے بھی محبوب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بعض محسن و خوبیاں ایسی ہیں جو بذات خود مطلوب اور محبوب ہوتی ہیں۔ ایک سبب محبت کا اور بھی ہے۔ وہ ہے نہایت لطیف قسم کی پوشیدہ مناسبت، ایسی مناسبت جو حبیب اور محبوب کے درمیان ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بغیر کسی ظاہری غرض کے صرف دور و جوں کی باہمی مناسبت سے دو آدمیوں میں محبت ہو جاتی ہے۔

محبت کرنی ہو تو صرف خدا سے کرو: جب معلوم ہو گیا کہ محبت کے لیے کچھ سبب کوئی وجہ ہوتی ہے ظاہر ہے یہ جس میں پائی جائے گی اسی سے محبت ہوگی اور جس ذات میں جس قدر کم زیادہ یہ محبت کا سبب ہوگا اس سے اسی قدر کم زیادہ محبت ہوگی۔ اب اسباب کو اور خصوصیات کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو ایک ذات میں یہ ساری خوبیاں پوری نظر آئیں گی اس لیے اسی سے محبت کرنی چاہیے اور وہی محبت کے لائق ذات ہے اور وہ خدا کی ذات ہے، مثلاً پہلا سبب اپنے نفس سے محبت ہے۔ اب اگر انسان صحیح طور پر پہچان لے، جان لے اور مان لے کہ جو چیز اُسے اس قدر محبوب و عزیز ہے اس کو پیدا کرنے والا، مکمل کرنے والا، باقی رکھنے والا خدا ہے تو کوئی معنی نہیں کہ اُسے خدا سے محبت نہ ہو جائے۔ جس شخص کو بھی اپنا نفس محبوب ہوگا اُسے ضرور خدا سے محبت ہوگی کیونکہ اسی نے یہ محبوب نفس اُسے عطا کیا ہے۔ دوسرا سبب لو۔ یعنی انسان اس سے محبت کرتا ہے جو اس کی جانی و مالی مدد کرے دشمنوں سے اس کی حفاظت کرے تمام بُرے فتنوں کو اس سے دفع کرے تو اس پہلو سے بھی سوچئے تو خدا کے علاوہ کون ہے جس سے محبت کی جائے۔ کیا یہ باتیں خدا سے بڑھ کر یا خدا کے علاوہ کوئی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان احسان کرتا ہے تو وہ بھی تو خدا ہی کرتا ہے۔ آخر اس انسان کو کس نے پیدا کیا جس نے احسان کیا اس کے مال کو کس نے پیدا کیا جس سے احسان ہوا۔

اس شخص میں یہ قدرت اور یہ ارادہ کس نے پیدا کیا کہ اس نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری طرف اس کے دل میں توجہ اور محبت کس نے پیدا کی کہ اوروں کو چھوڑ کر اس نے تمہارے ہی ساتھ احسان کیا۔ پھر اس کے دل میں کس نے یہ بات ڈالی کہ تمہارے ساتھ احسان کرے تو دنیا میں یا دنیا چھوڑ جانے کے بعد اُسے نفع ملے گا ان باتوں پر غور کرو تو خدا ہی کی ذات سامنے آئے گی اور معلوم ہوگا واقعی وہی محبت کے لائق ذات ہے۔

تیسرا سبب لو کہ انسان دوسرے انسان سے اس کی نیک عادتوں، اچھی خصلتوں کے باعث محبت کرتا ہے اس میں یہ ضروری نہیں کہ محبت کرنے والے پر بھی احسان کیا یا نہیں اس اعتبار سے بھی وہ تمام کمالات اور خوبیوں کا مجموعہ اور مرکز ہے وہی محبت کرنے کے لائق ہے۔

چوتھا سبب لیجئے۔ احسن و جمال۔ جمال ظاہری آنکھ سے سوچتا ہے۔ مگر جمال باطنی کا ادراک تو باطنی آنکھوں سے اہل باطن ہی کر سکتے ہیں اور جو جمال کہ دل سے اس کا ادراک ہوتا ہے تو وہ دل کو محبوب بھی ہوگا۔ جیسے کسی نیک شخص سے محبت ہو جو عرصہ ہوا دنیا سے جا چکا ہے تو ظاہر ہے یہاں انسان باطن کی آنکھوں سے اس کی خوبیوں کو دیکھ رہا ہے اور محبت بھی دل میں موجزن ہے۔ یہ خوبصورتی نہ اس شخص کے چہرے کی ہے نہ ظاہری ہیئت کی اور نہ دیکھنے والا انھیں ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہی باطنی احسن ہے جس کو انسان کے حواس خمسہ ادراک نہیں کرتے۔ ہاں جس کو یہ باطنی حسن ملتا ہے اس کے افعال و کردار میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اسی سے طبیعت کی خوبصورتی کا پتہ چلتا ہے اس لحاظ سے غور کیا جائے تو خدا کی ذات کمال سے مشہف ہے اور وہی محبت کے لائق ہے۔ جو لوگ خدا سے محبت نہیں کرتے وہ یا تو خدا کے ان اوصاف کو نہیں سمجھتے یا خدا میں یہ صفت مانتے ہی نہیں یا اچھائی اور خوبیوں کو طبعاً پسند نہیں کرتے اس قسم کی محبت تو انسان کے احسان کرنے والی محبت سے کہیں اعلیٰ اور اشرف ہے احسان تو کبھی کبھی ہوتا ہے مگر اس سے محبت کی سرشاری تو ہمہ وقت دل میں رہتی ہے اسی لیے کہا گیا ”میرے نزدیک محبوب وہ ہے جو میری عبادت بغیر کسی لالچ کے کرے۔“ اور کہا گیا ”اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں جو میری عبادت دوزخ کے در سے یا جنت کی لالچ میں کرے۔“

خوف الہی نہ رکھنے والوں کو کیسے مصائب بھگتنا پڑتے ہیں

(ہارون یحییٰ)

زمین پر پیش آنے والے مصائب:

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور احکامات الہی کے بارے میں فکر مند نہیں رہتے اللہ پاک انہیں اسی دنیا میں جسمانی اور دینی تباہی میں مبتلا کر دے گا۔ حقیقتاً انکی زندگیوں کو جسمانی اور جذباتی تباہی کا نمونہ بنا دیا جائے گا۔

انکی تمام تر بد اعمالیوں کے باوجود ان میں سے کچھ خود کو اس حقیقت کے بل پر دھوکہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے دولت و راحت و فراخ روئی عطا کر رکھی ہیں چنانچہ وہ اپنی باغیانہ روش میں آگے بڑھتے جاتے ہیں، خود کو یہ کہہ کر بے وقوف بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کیلئے اعمال کو بہتر بنانا ممکن ہی نہیں تھا۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ ہر کام جو وہ کرتے ہیں ایک ایک سیکنڈ ریکارڈ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سب اعمال کا ریکارڈ دے کر ابدی عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت کو قرآن میں یوں بیان فرماتے ہیں:

”پس (اے محبوب!) رہنے دو! انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک۔ کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔“

(سورۃ المومنون - آیات: ۵۴-۵۶)

تاہم ان سب لوگوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ نہ ہوگا ان میں سے کچھ اسی دنیا میں

عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ وہ بیماریوں، حادثات، معذوری، مالی نقصانات اور اپنے پیاروں کے بچھڑنے جیسے مصائب کا شکار ہو کر مستقل عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ چونکہ وہ ان واقعات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان سمجھ کر ان پر غور نہیں کرتے، اس لیے ان واقعات کے نتیجے میں ملنے والی تکلیف ان کیلئے ایک قسم کا عذاب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کیلئے اپنی رحمتوں کے دروازے بند کر دیتے ہیں اور وہ ہمہ وقت مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں وہ چھوٹے بڑے جس بھی معاملے میں شامل ہوں، اس کا نتیجہ مالی نقصان یا ذہنی پریشانی کا باعث ہی بنتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا اجر مصائب سے پر زندگی ہوگی:

”اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کیلئے تنگ زندگی ہے اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔“ (سورۃ طہ - آیت: ۱۲۴)

جو لوگ خدائے بزرگ و برتر کا خوف نہیں رکھتے انکی روح کی سیاہی کا عکس ان کے چہروں پر صاف دکھائی دیتا ہے۔ جب روحانی نور کی اس کمی میں ان کی بد زبانی بھی شامل ہو جاتی ہے تو ان کے وجود کی تکلیف دہ حالت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ روحانی انحطاط اور بربادی کا جیتا جاگتا نمونہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو قرآن پاک میں ”رسوائی“ قرار دے کر واضح فرماتے ہیں:

”اور جنہوں نے برے کام کیے، تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی۔ اور چھارہ ہی ہوگی ان پر ذلت نہیں ہوگا ان کیلئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا۔ کو یا ڈھانپ دیے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے، وہی دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ (سورۃ یونس - آیت: ۲۷)

ایک اور مصیبت جس کا ان لوگوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ ہے، ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا چھین لیا جانا۔ وہ بالکل واضح حقائق کو بھی سمجھ نہیں پاتے۔ مثال کے طور پر، وہ اپنی.... خوف غم، پریشانی اور جھنجھلاہٹ کی حالتوں کے پس پردہ وجوہات کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا عذاب، جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، کبھی نہ ختم ہونے والا اور بے شمار اقسام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور وہ خوب جانتا ہے کہ اسے (انسانوں کو) کیا چیز تکلیف پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی صورت میں حاصل ہونے والی تکلیف اور کرب کے محض تصور ہی کی کوشش کر سکتے ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ، صحیح الدماغ لوگ کبھی بھی ایسا طرز عمل اور برتاؤ اختیار نہیں کرینگے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بن جائے۔ انسان کا روزمرہ کی معمولی مشکلات سے نپٹنے کے قابل نہ ہونا، اس کی کمزوریوں کا واضح ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر، یہ بالکل ناقابل فہم بات ہے کہ انسان ناقابل برداشت درد سے بے حال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح، یہ بھی بالکل سچ ہے کہ کسی شخص کو خواہ وہ کافی فاصلہ پر ہی ہو، تکلیف کے مارے چلا رہا ہو تو ہم سن کر رپ اٹھتے ہیں اور ہمیں اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ انسانوں کو روحانی اور جسمانی تکالیف، خوف یا پریشانی کے خاتمے کے قابل نہیں بنایا گیا۔ ہم زیادہ دیر تک تنگ جگہ پر اکڑوں نہیں بیٹھ سکتے، دل خراب کرنے والی بو برداشت نہیں کر سکتے، پیٹ درد یا دانتوں کی تکلیف ہمیں بڑھال کر دیتی ہے، خواہ یہ تکالیف اس عظیم عذاب کی قسم نہیں بلکہ معمولی مصائب اور زندگی کا حصہ ہی ہوں۔

ان واضح حقائق کے باوجود، لوگ اپنی غفلت اور بے توجہی کے باعث، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے بغیر زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں ان لوگوں کو جن جسمانی اور دینی

تکالیف و پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کیلئے مختص عذاب جہنم کی صرف ایک ادنیٰ مثال ہے اور ان کا مقصد دراصل ان لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت اور حاکمیت کا خیال نہیں کرتے، مگر جب موت انہیں آدبو چے گی، تب انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور طاقت کا پوری طرح احساس ہوگا اس وقت انہیں ایک ایسا ناقابل بیان عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا، جس کا زمین پر موجود دوسری کسی چیز سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض ما فرمان اقوام کو سبق سکھانے کیلئے طوفانی ہوائیں بھیجیں، جو ان کے گھروں کو اڑا لے گئیں، کچھ دوسری اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے جھکڑ بھیجے جنہوں نے ان کی پوری پوری بستیوں کو زمین بوس کر دیا۔ ایسے زلزلے آئے کہ، کئی اقوام اپنی تمام تر دولت کے ساتھ زمین میں دفن ہو گئیں، بعض دوسری اقوام کو پانی میں غرق کر دیا گیا اور بعض لوگوں کو گرم لاوے میں ڈال کر پتھروں میں تبدیل کر کے ہمیشہ کیلئے مثال بنا دیا گیا۔

آخرت میں ان کی حالت:

انسان، اس دنیا میں ایک محدود عرصہ حیات لے کر آتا ہے، اوسطاً تقریباً 60 سے 70 برس۔ پلک جھپکنے میں انسان کی زندگی کے 50 برس گزر جاتے ہیں، اس دوران وہ تعلیم مکمل کرتا ہے، نوکری حاصل کرتا ہے، گاڑی خریدتا ہے، شادی کرتا ہے، گھر بناتا ہے، اس کے ہاں بچے جنم لیتے ہیں اور پھر..... اس کے بدن پر جھریاں پڑنے لگتی ہیں..... یوں پچاس برس گزر جاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ باقی تقریباً دس برسوں میں، انسان موت کو قریب آتا محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر، جو بات افسوس اور حیران کن ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ اس عمر تک پہنچنے کے باوجود بھی موت سے فرار تلاش کرتے رہتے ہیں اور اپنے باقی چند سال بھی موت کے بارے میں سوچے بغیر دنیا کی طرف مائل رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خبردار

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” (اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے، جس دن آئیں گے ہمارے پاس، لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں۔ اور اے نبی کریم ﷺ! آپ ڈرا پیئے انہیں حسرت و ندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔“ (سورۃ مریم: آیت: ۳۸-۳۹)

یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیاوی زندگی کے خاتمے پر با آسانی ان کی روح کو ابدی سکون کے مقام پر منتقل کر دیا جائے گا، مگر انہیں ایک تکلیف دہ حقیقت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ ان کے خیال کے برعکس، جب انہیں اس کی توقع بھی نہیں ہوتی، ان پر مقرر کردہ موت کے فرشتے انہیں آ لیتے ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہر حال میں بجا لاتے ہیں اور ان پر گزر گزرا نے اور التجا کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب موت کے فرشتے ایسے لوگوں کی پشت پر ضربیں لگاتے ہوئے، انتہائی تکلیف دہ طریقے سے ان کی روحمیں نکالنے لگتے ہیں، تو وہ خوب اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں کہ اب ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے:

”اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے اور مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور (کہتے ہیں اب) چکھو آگ کا عذاب۔“ (سورۃ الانفال: آیت: ۵۰)

منکرین کا جرم بہت بڑا اور ناقابل معافی ہے کیونکہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اپنی روش پر قائم رہ کے خود کو بے حد طاقتور اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے آزاد سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوگا۔ ان کیلئے موت سے فرار یا بچاؤ کا راستہ نہ ہوگا، مختصر یہ کہ ان کے پاس معافی یا مدد کا کوئی ذریعہ نہ بچے گا یہ اس لیے ہوگا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مافرمانی کی، جس نے ان کے سمیت ہر شے کو

پیدا کیا، جو ہر شے کا حقیقی مالک، لامحدود علم اور طاقت رکھنے والا، اور پوری کائنات کا حاکم ہے یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، اس لیے آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں ایسے خوف میں مبتلا کر دیں گے، جس سے انہیں کبھی واسطہ نہ پڑا ہوگا۔ وہ چاروں طرف سے خوف، ڈر اور دباؤ میں گھرے ہوں گے اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے:

”آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔“ (سورۃ الشوریٰ - آیت: ۲۲)

وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی غفلت میں ڈوبے ہوئے گزاریں اور جن کا انجام تیزی سے ان کی طرف آ رہا ہے، انہیں بالآخر ایک کبھی نہ ختم ہونے والے خوف اور ڈر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی زندگیاں دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کیے گئے خوفناک انجام کا پیش خیمہ ہیں، (اللہ تعالیٰ) کے فرمان کے مطابق ”وہ تو صرف انہیں ڈھیل دے رہا ہے اس دن کیلئے کہ جب (خوف کے مارے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔“ (سورۃ ابراہیم - آیت: ۴۲)

روز حساب، انہیں جس خوف کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ خوف (بوکھلاہٹ) اور پراگندگی لیے ہوئے ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید میں واضح کیا گیا:

اور جس دن پھونکا جائے گا صورتو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔“ (سورۃ النمل - آیت: ۸۷)

روز حساب جب سب لوگ عجب ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہوں گے، حاملہ عورتیں خوف کے باعث اپنا حمل کھودیں گی۔ اس روز ایسا خوف لوگوں کو گرفت میں لے گا جو ان کے دماغ ماؤف کر دیگا

”اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی حولنا کیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی ماں اس (لخت جگر سے) جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشے میں مست ہوں حالانکہ وہ نشے میں مست نہیں ہونگے بلکہ عذاب الہی بڑا سخت ہوگا۔“ (سورۃ الحج - آیات ۱۲-۱۳)

یہ تو بس شروعات ہوگی۔ ان لوگوں کو اس کے بعد ایسی ایسی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا تصور بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ، جو لامحدود طاقت اور عظیم انصاف کا مالک ہے، وہ ان لوگوں سے بدلہ لے گا اور اپنے وصف ”منتقم“، یعنی ”بدلہ لینے والا“ کو آشکار کرے گا اس وقت مافران لوگوں کے پیچھے، چلانے، گڑ گڑانے، بڑپنے، بھیک مانگنے، پچھتانے یا مغفرت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کوئی اس وقت ان مافران منکرین کی مدد نہ پائے گا پھر وہ کچھ بھی کریں، کوئی فرق نہیں پڑے گا، پھر چاہے وہ اپنے گناہوں کو قبول کر کے انہیں صدق دل سے سدھارنا چاہیں، پھر چاہے وہ بالکل پختہ عزم اور سچے ہی کیوں نہ ہوں اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بے کار کوشش کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

..... ”اس میں داخل ہو جاؤ، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے

لیے۔ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔“ (سورۃ الطور - آیت: ۱۶)

اس مرحلہ پر، لوگوں کیلئے واپسی کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ جب وہ دنیا میں تھے تو انہیں پوری زندگی لاتعداد نصیحتوں اور تنبیہات کے ذریعہ یاد دہانیاں کرائی جاتی رہیں۔ مزید براں، انہیں بے شمار، ذرائع اور وسائل بھی فراہم کئے گئے، اور انہیں صرف اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے احتیاط سے زندگی بسر کرنا تھی۔ روز قیامت، یہ لوگ

اللہ تعالیٰ کی رحمت کیلئے گزر گرائیں گے، حالانکہ جب وہ دنیا میں تھے تو ان کے غرور اور خود سری نے انہیں اللہ تعالیٰ کو پکارنے سے روک رکھا، انہیں موت اور آخرت میں حساب کتاب کیلئے تیاری کرنے سے روک رکھا۔ چنانچہ، قیامت کے دن انہیں منہ کے بل گھسیٹے ہوئے جائے عذاب کی طرف لے جایا جائے گا جہاں وہ جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کے عذاب کا مزہ چکھیں گے اور اس عذاب کی شدت کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

جب منکرین کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ان کا تکبر یک دم غائب ہو جائے گا اور وہ انتہائی دردناک حالت اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں گے۔ انہیں جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا دنیا کی کسی تکلیف کا جہنم کے عذاب سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے عذاب کو تمام عذابوں سے زیادہ دردناک بنایا ہے:

..... ”پس اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور

نہ ہی اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔“ (سورۃ الفجر۔ آیت: ۲۵-۲۶)

انہیں ایک طرف جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور دوسری طرف ذہنی اذیت انہیں بے حال کر دیگی۔ انہیں مستقل ذلیل و رسوا کیا جائے گا اور ان کے ساتھ بے حد برا سلوک ہوگا۔ یہ جان کر کہ کبھی جہنم سے نجات نہ پاسکیں گے۔ ناامیدی کا احساس ان کی روح تک کو لپیٹ میں لے لیا اور انہیں ابدی خوف، دہشت اور کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

عصبيت کی طرف بلانے والا ہم میں سے نہیں!

(مولانا محمد اویس سرور)

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عصبيت کی طرف بلانے والا ہم میں سے نہیں، عصبيت کی بنیاد پر لڑنے والا ہم

میں سے نہیں، عصبيت (کے جذبے) پر مرنے والا ہم میں سے نہیں۔“

اس حدیث مبارک میں نبی پاک ﷺ نے تین طرح کے افراد کو اپنے طریقے اور

اپنی سنت سے ہٹا ہوا قرار دیا ہے:

1- عصبيت کا داعی، یعنی عصبيت کی طرف بلانے والا اور لوگوں کو اس بنیاد پر اکٹھا کرنے والا

2- عصبيت کی بنا پر جنگ کرنے والا، جس کے پیش نظر صرف اور صرف اس کی قوم اور

اس کا قبیلہ ہے، اسے اعلائے کلمۃ اللہ سے کوئی غرض نہیں۔

3- عصبيت کے نام پر جان قربان کرنے والا پیغمبر عالم حضرت محمد ﷺ نے مختلف

مواقع پر عصبيت کی برائی کو آشکارا فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا

”جس شخص نے کسی بے مقصد جھنڈے تلے قتال کیا وہ عصبيت کا داعی تھا یا

عصبيت کی وجہ سے غضبناک ہوا تھا تو ایسے شخص کی موت جاہلیت کی موت ہے۔“

تعصب کی حقیقت: عصب کا لفظی معنی ہے: ”بدن کا پٹھہ“ اور عصبہ عربی زبان

میں والد کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں کیونکہ معاشرہ میں عموماً باپ کے رشتہ داروں ہی کی وجہ

سے خاندان کی تقویت کا معیار سمجھا جاتا ہے اور انہی رشتہ داروں کی طاقت کو اگلی نسل اپنی

طاقت سمجھتی ہے اس لئے عصبيت اور تعصب کا مفہوم اہل لغت نے بیان کیا ہے:

”اپنے آباء و اجداد اور اپنی قوم پر فخر کرنا اور ان کی حمایت کرنا۔“

اسلامی اصطلاح میں تعصب کا مفہوم رسول اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا

جب واثلمہ بن اسحق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! عصبیت کیا ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”عصبیت یہ ہے کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو اپنی قوم کی ناحق مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کسی کنویں میں گر گیا

ہو اور اس کو دم سے پکڑ کر نکالا جا رہا ہو تو نکالنے والا خود بھی اس میں جا گرے۔“

اسلام میں قبیلوں اور قوموں کی تقسیم: اسلامی احکام کے مطابق خاندان، قبیلوں،

برادریوں، ذاتوں، علاقوں، صوبوں اور شہروں کی تقسیم اور ان کی بناء پر انسانوں کی تقسیم خلاف

فطرت نہیں بلکہ فطرت کے عین مطابق ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ”اے لوگو! ہم

نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ تم ایک

دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سے

سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ کو آذان دینے کا حکم فرمایا۔ قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہ

ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے

ان کو یہ بُرا دن نہ دیکھنا پڑا۔“ حارث بن ہشام نے حضرت بلالؓ کے رنگ کے حوالے سے سخت

کلمات کہے ابوسفیان بولے ”میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا

مالک ان کو خیر کر دے گا“ چنانچہ جبرائیل امین تشریف لائے اور مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

خاندانی تقسیم کا غلط استعمال: یہ بات تو پوری طرح واضح ہو گئی کہ خاندان،

برادری اور وطنی ولسانی تقسیم خلاف فطرت اور خلاف اسلام تو نہیں لیکن آج اس کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد اللہ تعالیٰ نے لنعارفوا "بتایا یعنی اس تقسیم کے ذریعہ لوگ ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں ایک دوسرے سے تعارف ہو سکے کہ یہ شخص فلاں ملک سے فلاں صوبہ کے فلاں شہر کے فلاں قبیلہ اور برادری کے فلاں خاندان سے ہے۔

عصبیت، اسلام کی نظر میں: اسلام عصبیت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس

کے سدباب کے لئے ابتداء ہی میں کیا اقدامات کئے اس کی حقیقت جاننے کے لئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے آپ لکھتے ہیں:

”عصبیت کا مزاج قرآن کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اس (عصبیت) کی نگاہ

میں غیر قوم، یا غیر وطن کا آدمی ایک مہمان کی حیثیت سے تو اچھے سے اچھے سلوک کا مستحق ہو سکتا ہے لیکن اسے اپنا کسی حال میں نہیں سمجھا جاسکتا وہ علم و فضل کے اعتبار سے خواہ کتنے بلند مقام پر فائز ہو، اخلاق و کردار کے لحاظ سے خواہ کتنا اونچا مقام رکھتا ہو، جسمانی اور فکری صلاحیتوں سے خواہ کتنا مالا مال ہو، لیکن ”عصبیت“ اسے یہ حق دینے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہے کہ وہ قوم و وطن کے لوگوں میں رہ کر ان سے زیادہ عزت کا مقام حاصل کرے، زندگی کے مسائل میں ان کا رہنما بنے یا ان پر کسی بھی درجے میں حکمرانی کر سکے۔“

یہی وہ ”جاہلی عصبیت“ ہے جس کے خلاف اسلام نے روز اول سے جہاد کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اپنے قول و فعل سے بار بار اس غیر انسانی جذبے کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی، اور اس کوشش میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ عرب کے بسنے والوں نے ایک طرف حبشہ کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ کو آگے بڑھ کر گلے لگالیا اور دوسری طرف اپنی قوم

اور وطن کے ابو جہل اور ابولہب کے خلاف تلوار لے کر نکلے اور عملاً اس بات کا اعلان کر دیا کہ جو خدا کا دوست ہے وہ ہمارا ہے خواہ کسی ملک و قوم کی طرف منسوب ہو، اور جو خدا کا دشمن ہے وہ ہمارا نہیں ہے، خواہ گوشت پوست کے اعتبار سے وہ ہم سے کتنا قریبی تعلق رکھتا ہو۔“

اپنے خاندان سے محبت رکھنا عصبیت میں شامل نہیں: واضح رہے کہ اپنے خاندان یا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصبیت میں شامل نہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے تو کیا یہ عصبیت میں داخل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! عصبیت تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت کرے حالانکہ وہ ظلم کر رہی ہو۔“

مظلوم قوم کی حمایت بھی ضروری ہے: اگر آدمی کی اپنی قوم پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کی حمایت کرنا اور ان کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہے اسے عصبیت سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ سراقہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جب تک وہ اس دفاع میں گناہ کا مرتکب نہ ہو۔“ یعنی ہر شخص اپنی قوم، اپنے خاندان پر ہونے والے ظلم کا دفاع کر سکتا ہے لیکن اس میں بھی اپنی طرف سے ظلم نہ ہونے دے۔

کیا وطن کی محبت بھی عصبیت ہے! انسان کو فطری طور پر اپنے وطن، اپنے علاقے اور اپنی سرزمین سے محبت ہوتی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت بھی تعصب میں داخل ہے۔ اسلام کا اس بارے میں کیا موقف ہے اس حقیقت کو شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے بڑے عمدہ انداز میں واضح فرمایا ہے، اس تحریر کو پڑھ کر اسلام میں تعصب و محبت وطن کا تصور پوری طرح واضح ہو سکے گا وہ لکھتے ہیں:

”زمین کے جس خطے کو انسان اپنا وطن سمجھتا ہے، اسکے ساتھ ایک خصوصی لگاؤ کا

پیدا ہو جانا بلاشبہ انسانی فطرت کا ایک تقاضا ہے اور اس تقاضے سے کسی حال میں صرف نظر نہیں کیا جاسکتا یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جس جگہ انسان پیدا ہوتا ہے جہاں اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں جہاں وہ بچپن کی شوخیوں اور جوانی کی نیرنگیوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، جس جگہ پہلی بار زندگی کے مختلف روپ اس کے سامنے آتے ہیں، اس جگہ سے اسے ایک خاص انس پیدا ہو جاتا ہے، انسان اس سرزمین، وہاں کے بسنے والوں سے اسی کی زبان سے یہاں تک کہ اس کے گلی کے کوچوں اور درو دیواروں سے محبت کرنے لگتا ہے، اور بہت شاذ و نادر ہوتے ہیں وہ لوگ جن کا دل اس محبت سے یکسر خالی ہو۔ وطن کی محبت اگر صرف اس حد تک ہو تو یہ کوئی بری بات نہیں اسلام نے بھی اس فطری محبت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی، حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کو وطن قرار دینے کے بعد جب کبھی آنحضرت ﷺ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور دور سے جبل اُحد نظر آتا تو آپ ﷺ فرماتے تھے:

”یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں“ آگے فرماتے ہیں ”لیکن اگر یہی محبت اپنی معقول حدود سے تجاوز کر جائے، اور اس کی وجہ سے انسان وطن کی ہر چیز ”اپنی“ اور باہر کی ہر چیز کو ”پرانی“ سمجھنے لگے تو اسی کا نام ”نُعصب“ ہے اس سے اسلام شدید نفرت کرتا ہے، کو یا اسلام میں وطن کی طبعی محبت کا تو پورا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن نہ وہ اسے اجتماعی وحدت کی بنیاد قرار دیتا ہے نہ وہ اس کے نزدیک دوستی اور دشمنی یا محبت اور نفرت کا معیار ہے، نہ اس کی بناء پر اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق قائم کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے پیش نظر حق کے فیصلے ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر وطن سے باہر کسی مقام پر ہوں، اور وہاں آپ کو اپنے وطن کا کوئی آدمی نظر آجائے تو طبعی بات ہے کہ آپ اسے دیکھ کر خوشی محسوس کریں گے، اس سے باتیں کرنے اور وطن کے حالات معلوم کرنے میں آپ کو لطف آئے گا، یہ وطن کے

ساتھ آپ کی فطری محبت کا اثر ہے اور یہ بات اسلام کی نظر میں قابل اعتراض نہیں لیکن اگر کل کو آپ کا وہی ہم وطن کسی مقامی آدمی سے الجھ پڑے اور آپ حق و ناحق کو دیکھے بغیر صرف اس بناء پر اس کا ساتھ دینے لگیں کہ وہ آپ کا ہم وطن ہے تو یہ خالص عصبیت ہے اور اسلام اس کا کسی طرح روادار نہیں۔“

آباء واجداد پر فخر کرنا ممنوع ہے: نبی کریم ﷺ نے آباء واجداد پر فخر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے غرور تکبر اور آباء واجداد پر فخر کرنے کی رسم کو ختم کر دیا ہے۔ مومن خوش بخت اور فاجر بد بخت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قوموں پر فخر کرنا چھوڑ دیں، وہ جہنم کے کونکے بن چکے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمین پر چلنے والے حشرات سے بھی زیادہ کم حیثیت ہیں۔“ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

”شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں مگر اس کے نعمت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ فخر عقلاً ان چیزوں پر ہو سکتا ہے جو اختیاری ہو، اور وہ علم و عمل ہے، کو شرعاً ان پر بھی فخر نہ کرنا چاہئے۔ پس صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے۔“

تعصب کی آگ: قومی، نسلی اور علاقائی تعصب کی آگ جس تیزی سے پھیل رہی ہے یہ محض اسلامی تعلیمات پر عمل پیرانہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے قوم، خاندان اور قبیلوں کی تقسیم کا مقصد محض تعارف بتایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فو را بعد یہ ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“ لہذا آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہر قسم کے تعصب سے ذہنوں کو پاک کر کے صرف یہ بات ذہن نشین کی جائے عزت و ذلت کا معیار تقویٰ ہے۔

ذکر و فکر

(فضل الرحمن بن محمد الاذہری)

ذکر و فکر ایسی نعمتیں ہیں جن کے بغیر معرفت حق ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں غفلتوں میں صفت سورۃ آل عمران میں یوں بیان فرمائی ہے:

ترجمہ: ”غفلندہ وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! تو نے ان کو بے فائدہ ہی نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ بس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“

غفلتوں کی پہلی صفت اللہ کو ہر حال میں یاد رکھنا اور اس کا ذکر کرنا ہے دوسری صفت تخلیق کائنات میں غور و فکر کے بعد معرفت حق کو پانا ہے۔ اور تیسری جہنم کی آگ سے بچنا ہے۔ اس لئے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”جو جہنم کی آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے

وہ زندہ کی مثل ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ کی مثل ہے۔“ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کے نزدیک جو اپنے رب سے غافل رہتا ہے مردہ ہے۔ اسلام کی تعلیم

ہی یہ ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو ہر وقت یاد کرتی رہے۔ اُمت محمدیہ پر پانچ نمازوں کی فرضیت

کے پیچھے یہی حکمت نظر آتی ہے۔

”جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے بیٹھو اور لیٹ کر اللہ کا ذکر کرو۔“ (سورۃ النساء)

ترجمہ: ”جب تم حج سے فارغ ہو چکو تو اللہ کو یاد کرو۔“ (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔“ (سورۃ الاحزاب)

آجکل کے مشینی دور میں سکونِ قلب کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اگرچہ کاروبار بڑھ رہا ہے کارخانے لگائے جا رہے ہیں۔ خوشحالی پہلے سے زیادہ نظر آتی ہے، تعلیم عام ہوتی جا رہی ہے دفاتر میں بڑے بڑے عہدوں پر لوگ فائز ہو چکے ہیں۔ مجموعی طور پر معیار زندگی بلند ہو رہا ہے لیکن ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے پریشان دکھائی دیتا ہے۔ معاملات سلجھنے کی بجائے الجھتے ہی جا رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔“ (سورۃ الرعد)

سکونِ قلب صرف اس وقت حاصل ہوگا جب بندہ اپنے رب کو یاد کرے گا۔ جب بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو رب بھی اپنے بندے کو یاد رکھتا ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے:-

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اسی مجلس میں یاد کرتا ہوں جو اس کی مجلس سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ آتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اس کی طرف

دو ہاتھ آتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے۔ میری یاد میں اس کے

ہونٹ ہلتے ہیں تو میں اپنے بندے کے پاس موجود ہوتا ہوں۔“ (صحیح بخاری)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ذکر الہی کا کیا فائدہ ہے؟ نہ صرف دنیا میں اطمینان و سکون

کی دولت سے انسان مالا مال ہوتا ہے بلکہ آخرت میں بھی جہنم کی آگ سے نجات پا جاتا ہے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے فرشتو! جہنم کی آگ سے اس کو

نکال لاؤ جس نے مجھے ایک ہی دن یاد کیا تھا یا کسی ایسے مقام پر مجھ سے ڈر گیا تھا۔“

عقلمندوں کی دوسری صفت غور و فکر کرنا ہے۔ غور و فکر ہی انسان کو اللہ کی دوسری تمام مخلوق

سے ممتاز و ممتاز کرتا ہے غور و فکر سے اللہ کی پہچان ہوتی ہے معرفت حق تک رسائی ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں چند اقوال غور و فکر کے بارے میں نقل کئے ہیں:

حضرت سفیان بن عیینہ سے منقول ہے ”غور و فکر نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہوتا ہے۔“

وہ بسا اوقات یہ شعر پڑھا کرتے تھے: ”جب آدمی غور و فکر کا عادی ہوتا ہے تو ہر شے میں اس

کے لئے عبرت ہوتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:

”خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر الہی ہو۔ چپ رہنا غور و فکر ہو اور دیکھنا عبرت ہو۔“

حسن بصریؒ نے کیا خوب کہا:

ترجمہ: ”ایک گھڑی کا غور و فکر رات بھر کے قیام سے بہتر ہے۔“

بشر بن حارث الحافیؒ کا قول ہے: ”اگر لوگ اللہ کی عظمت میں غور و فکر کرتے تو

کبھی بھی اس کی مافرمائی نہ کرتے۔“

عامر بن عبد قیس سے مروی ہے کہ میں نے ایک دو یا تین صحابہ سے نہیں بلکہ زیادہ صحابہ سے سنا:

”بے شک ایمان کی روشنی یا ایمان کا نور غور و فکر ہے۔“

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو غور و فکر کرنے کا حکم دیا تا کہ ہر انسان کو پتہ چلے کہ جو کائنات کے کارخانے کو بغیر کسی خلل کے چلانے اور اپنی ہر قسم کی مخلوق کو رزق پہنچانے والا ہے۔ وہی خالق و مالک رب العالمین ہے۔ اس کی معرفت ذکر و فکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ذکر و فکر ہی سے انسان کو اپنے گناہوں کا احساس ہوتا ہے۔ حق و باطل میں تمیز کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ صراطِ مستقیم واضح ہوتی ہے۔ اشکال و ابہام دور ہو جاتے ہیں ایمان میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے قرب الہی نصیب ہو جاتا ہے انسان جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذکر و فکر کے ذریعے ہمیں معرفت حق نصیب فرمائے۔

دعائے مغفرت

ملتان سے قاسم بھائی کے خالو

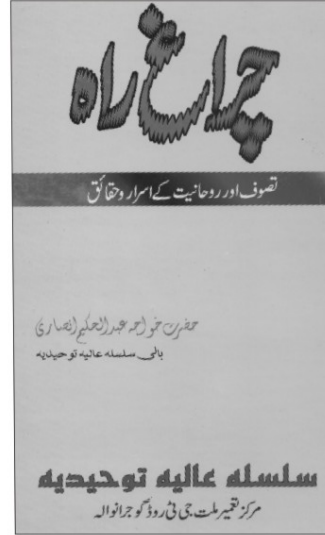
اور خالہ زاد بھائی

بقضائے الہی وفات پا گئے ہیں (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

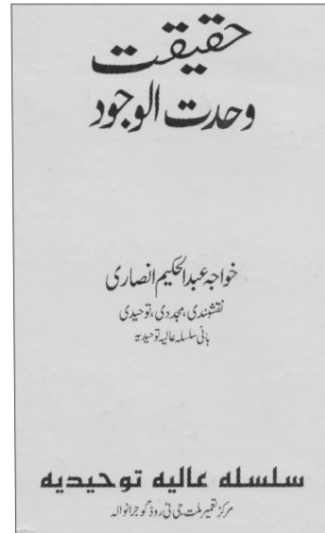
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحید یہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفّہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحید یہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔



سلسلہ توحید یہ کی مطبوعات

قرن اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحید یہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل انصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com